اللہ جل جلالہ

خطبات فقیر

جلد ہشتم



- واشکروا لی
- علم کی فضیلت
- علم اور علما کی شان
- ایمان کی عظمت
- اسلام کے محافظ
- استقامت کی فضیلت
- وہ جو بیچتے تھے دوائے دل
- اخلاق حمیدہ

پیر طریقت، رہبر شریعت، مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-2618003

خطباتِ فقیر

جلد ہشتم

از افادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب

محمد حنیف نقشبندی مجددی

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-618003

نام کتاب	خطبات فقیر جلد ہشتم
از افادات	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
مرتب	مولانا محمد حنیف نقشبندی مجددی
ناشر	مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد
اشاعت اول	ستمبر 2002ء
اشاعت دوم	جولائی 2003ء
اشاعت سوم	اگست 2004ء
اشاعت چہارم	جون 2005ء
اشاعت پنجم	جون 2006ء
اشاعت ششم	اپریل 2007ء
اشاعت ہفتم	فروری 2008ء
اشاعت ہشتم	ستمبر 2009ء
اشاعت نہم	مئی 2009ء
اشاعت گیارہ	اگست 2010ء
تعداد	1100
کمپیوٹر کمپوزنگ	فقیر شاہ محمود نقشبندی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ

عرض ناشر

الحمد للہ لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وعلی آلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین الی یوم الدین . اما بعد!

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات فقیر کے عنوان سے 1996ء میں شروع کیا تھا اور اب یہ آٹھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلندتر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیانات حکمت ومعرفت کا ہے۔ جس بیان کو بھی پڑھیں گے ایک نئی پرواز فکر آئینہ دار ہو گا۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطاب یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔

الحمدللہ کہ ادارہ مکتبۃ الفقیر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضرت دامت برکاتہم کے ان بیانات کو کتابی صورت میں استفادہ عام کے لئے شائع کرتا ہے۔ ہر بیان کو احاطہ تحریر میں لانے کے بعد حضرت دامت برکاتہم سے اصلاح کروائی جاتی ہے، پھر کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا کام بڑی عرق ریزی سے کیا

جاتا ہے اور آخر پر پرنٹنگ اور بائینڈ نگ کا پیچیدہ اور تکنیکی مرحلہ آتا ہے، یہ تمام مراحل بڑی توجہ اور محنت طلب ہیں جو کہ مکتبۃ الفقیر کے زیر اہتمام سرانجام دیئے جاتے ہیں پھر کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لئے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بارگاہ ایزدی میں یہ دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ہمیں حضرت دامت برکاتہم کے ان بیانات کی بازگشت پوری دنیا تک پہنچانے کی توفیق نصیب فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ

خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

پیش لفظ

الحمد لله الذی نور قلوب العارفین بنور الایمان و شرح صدور الصادقین بالتوحید و الایقان و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد و علیٰ اله اصحابه اجمعین . اما بعد!

اسلام نے امت مسلمہ کو ایسے مشاہیر سے نوازا ہے جن کی مثال دیگر مذاہب میں ملنا مشکل ہے۔ اس اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صف اول کے سپاہی ہیں۔ جن میں ہر سپاہی الصحابی کالنجوم کے مصداق چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے، جس کی روشنی میں چلنے والے اهتدیتم کی بشارت عظمیٰ سے ہمکنار ہوتے ہیں اور رشد و ہدایت ان کے قدم چومتی ہے۔ بعد ازاں ایسی ایسی روحانی شخصیات صفحہ ہستی پر رونق افروز ہوئیں کہ وقت کی ریت پر اپنے قدموں کے نشانات چھوڑ گئیں۔

عہد حاضر کی ایک نابغہ عصر شخصیت شہسوار میدان طریقت، غواص دریائے حقیقت، منبع اسرار، مرقع انوار، زاہد زمانہ، عابد یگانہ، خاصہ خاصان نقشبند، دامت برکاتہم العالی مادامت النہار والیالی ہیں۔ آپ منشور کی طرح ایک ایسی پہلو دار شخصیت کے حامل ہیں کہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس میں قوس قزح کی مانند رنگ سمٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کے بیانات میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ حاضرین کے دل موم ہو جاتے ہیں۔ عاجز کے دل میں یہ جذبہ پیدا

ہوا کہ ان خطبات کو تحریری شکل میں یکجا کر دیا جائے تو عوام الناس کے لئے فائدہ کا باعث ہوں گے۔ چنانچہ عاجز نے تمام خطبات شریف صفحہ قرطاس پر رقم کر کے حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں تصحیح کے لئے پیش کئے۔ الحمد للہ کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود ذرہ نوازی فرماتے ہوئے نہ صرف ان کی تصحیح فرمائی بلکہ ان کی ترتیب وتزئین کو پسند بھی فرمایا۔ یہ انہی کی دعائیں اور توجہات ہیں کہ اس عاجز کے ہاتھوں یہ کتاب مرتب ہوسکی۔

ممنون ہوں میں آپ کی نظر انتخاب کا

حضرت دامت برکاتہم کا ہر بیان بے شمار فوائد وثمرات کا حامل ہے۔ ان کو صفحات پر منتقل کرتے ہوئے عاجز کی اپنی کیفیت عجیب ہو جاتی اور بین السطور دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوتی کہ کاش کہ میں بھی ان میں بیان کردہ احوال کے ساتھ متصف ہو جاؤں۔ یہ خطبات یقیناً قارئین کے لئے بھی نافع ہوں گے۔ خلوص نیت اور حضور قلب سے ان کا مطالعہ حضرت کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہونے کا باعث ہوگا۔

اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سے کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما کر بندہ کو بھی اپنے چاہنے والوں میں شمار فرمالیں۔ آمین ثمہ آمین

فقیر محمد حنیف عفی عنہ

ایم اے۔ بی ایڈ

موضع باغ، جھنگ

واشکرولی

انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی اوقات کو یاد رکھے۔ یاد رکھنا کہ جو بندہ اپنی اوقات بھول جاتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔ اس بات کا استحضار رہے کہ ہم کیا تھے اور کیا بنے پھرتے ہیں۔ ذرا بتائیں کہ جب ہم دنیا میں آئے تھے اس وقت کیا مال ہمارے پاس تھا؟ لباس تھا؟ مکان تھا؟ کیا بیوی بچے تھے؟ نہیں، کچھ بھی نہیں تھا، سب کچھ دنیا میں ملا۔ یہ سب کچھ کس نے دیا؟ اللہ رب العزت نے دیا۔

واشکرولی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَ اشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْن .

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

ارشاد باری تعالیٰ ہے فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَ اشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْن (البقرۃ:۱۵۲) اس آیت کے اول حصے میں ذکر کے بارے میں مضمون ہے اور دوسرے حصے میں شکر کا بیان ہے۔ذکر کے متعلق تو اکثر بیانات ہوتے رہتے ہیں لہذا ارادہ ہے کہ آج شکر کے عنوان پر بات کہی جائے۔

دور حاضر میں مادی نعمتوں کی بہتات

مادی اعتبار سے اللہ رب العزت کی جتنی نعمتیں آج ہیں اتنی اس سے پہلے نہیں تھیں۔آج کا عام بندہ بھی پہلے وقت کے بادشاہوں سے کئی معاملات میں بہتر زندگی گزار رہا ہے۔پہلے وقت کے بادشاہوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلتے تھے جبکہ آج کے غریب آدمی کے گھر میں بھی بجلی کا قمقمہ جلتا ہے۔ ایسی روشنی پہلے وقت کے بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں تھی۔بادشاہوں کے خادم ان کو ہاتھ سے پنکھا کیا کرتے تھے جبکہ آج کے غرب آدمی کے گھر میں بھی بجلی کا پنکھا موجود ہے۔جو ٹھنڈا پانی آج ایک عام آدمی کو حاصل ہے وہ پہلے وقت

کے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں تھا۔ اس پر قیاس کرتے جایئے کہ پہلے وقت کے بادشاہ اگر سفر کرتے تھے تو ان کو گھوڑوں پر سفر کرنا پڑتا تھا اور انہیں ایک ایک مہینہ سفر میں لگ جاتا تھا۔ آپ گھوڑے پر سوار کر پشاور سے کراچی چلیں تو یہ ایک مہنے کا سفر بنے گا۔ لیکن آج کا ایک عام انسان اگر ریل گاڑی پر بیٹھ کر کراچی جانا چاہے تو یہ ایک دن سوار ہوگا اور دوسرے دن سورج ڈوبنے سے پہلے کراچی پہنچ چکا ہوگا۔ پہلے وقت کے بادشاہوں کو صرف موسم کے پھل ملتے تھے جبکہ آج ایک عام غریب آدمی کو بھی بے موسم کے پھل نصیب ہیں۔ پہلے علاقائی پھل ملا کرتے تھے جبکہ آج آدمی کو دوسرے ملکوں کے پھل بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ مزے سے کھا رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے یہ نعمتیں عام کر دی ہیں

ناشکری میں اضافہ

گویا مادی اعتبار سے نعمتوں کی جتنی بارش آج ہے اتنی پہلے کبھی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اللہ تعالی کی جتنی ناشکری آج ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ جس کی زبان سے سنو، اسی کی زبان پر ناشکری ہے۔ ہر بندہ کہے گا کہ کاروبار اچھا نہیں، گھر میں مشکلات ہیں اور صحت خراب ہے ہزاروں میں سے کوئی ایک بندہ ہوگا کہ جس سے بات کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے گا۔ آخر وجہ کیا ہے؟ کھانے پینے کی بہتات کا یہ عالم ہے کہ آج کا فقیر اور بھکاری بھی روٹی نہیں مانگتا بلکہ سگریٹ پینے کے لئے دو روپے مانگتا ہے اسلئے کہ اسے نشہ کرنا ہے۔

زیادہ کھا کر مرنے والے

آج کے زمانے میں زیادہ کھا کر مرنے والوں کی تعداد فاقوں سے مرنے والوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ ذرا بتائیے کہ جو دل کی شریانیں بند ہوتی ہیں وہ فاقے سے بند ہوتی ہیں یا چکنائی زیادہ کھانے سے بند ہوتی ہیں؟ شوگر کی بیماری زیادہ کھانے سے ہوتی ہے یا فاقے کرنے سے ہوتی ہے؟ بلڈ پریشر کی بیماری زیادہ کھانے سے ہوتی ہے یا فاقے کرنے سے ہوتی ہے؟ یقیناً زیادہ کھانے سے یہ بیماریاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے آج اکثر لوگ مر رہے ہیں۔ کھا کھا کر مر رہے ہیں لیکن پھر بھی زبان پر اللہ تعالیٰ کے شکوے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حلم

عطاؒ بن ابی رباح اللہ کے ایک نیک بزرگ گزرے ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات القا فرمائی کہ اے عطا! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر ان کو رزق کی تھوڑی سی تنگی پہنچے تو یہ فوراً محفل میں بیٹھ کر میرے شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں جبکہ ان کے نامہ اعمال گناہوں سے بھرے ہوئے میرے پاس آتے ہیں مگر میں فرشتوں کی محفل میں ان کی شکایتیں تو بیان نہیں کرتا۔

پہلی بڑی نعمت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس اللہ رب العزت کی سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا۔ اگر وہ

چاہتا تو گدھا بنا دیتا۔ کسی نے ہمارے اوپر بوجھ لادا ہوتا اور وہ ڈنڈے لگا رہا ہوتا۔ ہم ڈنڈے بھی کھا رہے ہوتے اور سامان بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے۔ اگر وہ ہمیں بندر بنا دیتا تو کسی نے ہمارے گلے میں لگام ڈالی ہوتی وہ ہمیں گلیوں میں نچا رہا ہوتا اور ہم ناچ رہے ہوتے۔ پروردگار کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں بن مانگے انسانیت کی خلعت سے نوازا اس نعمت پر اللہ تعالی کا جتنا شکرادا کریں اتنا کم ہے۔

صحیح سالم اعضاء

اللہ رب العزت نے ہمیں اشرف المخلوقات بنا کر صحیح سالم اعضاء دیئے۔ اگر وہ انسان تو بنا دیتا مگر عقل نہ دیتا تو پاگلوں کی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے؟ اگر وہ انسان تو بنا دیتے مگر آنکھیں نہ دیتے تو ہم گلیوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہوتے، جس کو ہم ماں باپ کہتے ہیں ان کے چہرے کو دیکھنے سے بھی ترس رہے ہوتے، پروردگار عالم اگر زبان نہ دیتا تو ہمارے اندر جذبات تو ہوتے لیکن ہم اپنی محبت کے جذبات کو اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے سامنے بیان بھی نہ کر سکتے۔ اگر وہ سماعت نہ دیتے تو لوگ اشاروں سے بات کرتے اور ہم ان کی باتیں اشاروں سے سمجھا کرتے۔ اگر وہ ٹانگیں نہ دیتے تو ہم کیسے پیدل چل سکتے؟ اگر ہاتھ نہ دیتے تو ہم کیسے کام کر سکتے تھے؟ پروردگار عالم نے یہ سب نعمتیں ہمیں بن مانگے عطا فرمائیں۔ اگر کوئی آدمی آپ کو ایک لاکھ روپیہ دے اور کہے کہ ذرا آپ دونوں آنکھیں نکال دیجئے تو کون تیار ہوگا؟ کوئی بھی تیار نہیں ہوگا۔ بھئی آپ کو ایک لاکھ روپیہ دے دیتے ہیں آپ اپنی زبان کاٹ کر دے دیجئے، کوئی بھی تیار نہیں ہوگا۔ یہ اللہ رب العزت کی

کتنی بڑی نعمتیں ہیں جنہیں کوئی بندہ پیسوں سے بھی خرید نہیں سکتا اور ہم دینے کو تیار بھی نہیں ہوتے۔

لمحہ فکریہ

میرے دوستو! اللہ رب العزت اگر ہمیں عقل نہ دیتے تو ہم پاگل ہوتے، اگر بینائی نہ دیتے تو ہم اندھے ہوتے، اگر سماعت نہ دیتے تو ہم بہرے ہوتے، اگر گویائی نہ دیتے تو ہم گونگے ہوتے، اگر صحت نہ دیتے تو ہم بیمار ہوتے، اگر گھر نہ دیتے تو ہم بے گھر ہوتے، اگر اولاد نہ دیتے تو ہم لاولد ہوتے، اگر اللہ رب العزت ہمیں مال نہ دیتے تو ہم بھکاری ہوتے اور اگر وہ ہمیں عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے۔ سبحان اللہ یہ عزتوں بھری زندگی جو گزار رہے ہیں یہ اس مالک کا احسان ہی تو ہے۔

دوسری بڑی نعمت

اللہ رب العزت کا دوسرا بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے ایمان عطا فرمایا۔ پروردگار نے مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کر دیا۔ ہمیں ابھی دائیں اور بائیں کا بھی پتہ نہیں تھا کہ جب ہمارے ایک کان میں اذان کہی گئی اور دوسرے میں اقامت۔ یوں ہمارے کانوں میں اللہ کا نام پہنچایا گیا۔ ماں ہمیں سلانے کے لئے تھپکیاں دیتی تھی تو حسبی ربی جل اللہ مافی قلبی غیر اللہ کی لوریاں سنایا کرتی تھی۔ بہن جھولا جھلایا کرتی تھی تو لا الہ الا اللہ اور اللہ اللہ کی لوریاں سناتی تھی جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو ہمارے والد جمعہ کے دن ہاتھ پکڑ کر مسجد کی طرف لے جاتے اور اس طرح انہوں نے ہمیں اللہ کے گھر کا راستہ دکھایا۔

ذرا سوچئے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ نعمتیں عطا فرمائیں جس کی وجہ سے آج ہم مسلمان ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کا کتنا بڑا کرم ہے۔

تیسری بڑی نعمت

اس سے بڑھ کر یہ نعمت عطا فرمائی کہ اللہ رب العزت نے ہمیں اپنے محبوب ﷺ کی امت میں سے بنایا یہ وہ فضیلت ہے جسے حاصل کرنے کے لئے پہلے وقت کے انبیائے کرام بھی تمنائیں کیا کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور وہ قرب قیامت میں دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور اس امت میں آکر زندگی گزاریں گے.... امتی ہونے کے ناطے روز محشر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی شفاعت نصیب ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنتیوں کے تین حصے بنائے جائیں گے ان میں سے دو حصے میری امت کے ہوں گے اور ایک حصہ باقی تمام انبیاء کی امتوں کا ہوگا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے ہر نبی علیہ السلام کو ایک ایک دعا مانگنے کا اختیار دیا جسے من وعن قبول کرلیا جائے گا چنانچہ سب انبیاء نے دعائیں مانگیں اور اللہ رب العزت نے قبول فرمائیں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے محبوب ﷺ! کیا آپ نے بھی کوئی دعا مانگی؟ ارشاد فرمایا، میں نے اپنی دعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنالیا، میں نے دعا نہیں مانگی، میں قیامت کے دن وہ دعا مانگوں گا اور اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک میرا آخری امتی بھی جنت میں داخل نہیں ہو جائے گا تو یہ اللہ رب العالمین کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں رحمۃ للعالمین ﷺ کی امت میں سے پیدا فرمادیا۔

نعمتوں کا شمار

اچھا آپ مجھے بتائیں کہ کیا کوئی آدمی بارش کے پانی کے قطروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ ساری دنیا کی ریت کے ذرات کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا لیکن اسکے باوجود یہ عاجز کہتا ہے کہ آسمان کے ستاروں کو گننا ممکن ہے، بارش کے قطروں کو گننا ممکن ہے، ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کا گننا ممکن ہے، ساری دنیا کے ریت کے ذرات کو گننا تو ممکن ہے لیکن اللہ رب العزت کی جو نعمتیں ہم پر برس رہی ہیں ان نعمتوں کو گننا ہمارے لئے ناممکن ہے کیونکہ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فرمادیا:

وَاِنْ تَعُدُّوْ اِنْعَمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم:۳۴)

(اور اگر تم اللہ رب العزت کی نعمتوں کو گننا بھی چاہو تو تم اسکو گن بھی نہیں سکتے)

بہترین نظامِ عصبی

ڈاکٹروں نے لکھا ہے کہ انسان کے دماغ کو پورے جسم سے ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ اطلاعات مل رہی ہوتی ہیں اور دماغ ان کو کنٹرول کررہا ہوتا ہے۔ اب سوچئے کہ دماغ کا سلامت رہنا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو دماغ سے جسم کے اعضاء کو کنٹرول کروایا، اس کے لئے وائرنگ کروائی اسے نروس سسٹم کہتے ہیں۔ اس وائرنگ کے ذریعے دماغ اعضاء کو سگنل بھیجتا ہے اور اسی سگنل پر اعضاء کام کرتے ہیں۔ یہ سب سگنلز دماغ

سے ریڑھ کی ہڈی میں جاتے ہیں اس کو سپائنل کارڈ کہتے ہیں اور پھر وہاں سے پورے جسم میں جاتے ہیں...... میں کوئی ہوائی باتیں نہیں کر رہا بلکہ ذمہ داری کے ساتھ پکی باتیں کر رہا ہوں..... انسان کے جسم مین کتنی نروز ہیں بک آف سائنس میں ڈاکٹروں نے یہ بات لکھی ہے کہ ہر انسان کے اندر اتنی وائرنگ استعمال ہوئی ہے کہ اگر ایک نرو کو دوسری نرو سے جدا کر دیا جائے اور سب نروز کو ایک دوسرے کے ساتھ گانٹھ باندھتے چلے جائیں تو یہ اتنی لمبی ہوں گی کہ پوری دنیا کے گرد اس کے دو چکر آ سکتے ہیں۔ اتنی وائرنگ ایک بندے میں کام کر رہی ہوتی ہے۔ یہ ساری وائرنگ ٹھیک کام کرتی ہے تو ہماری صحت ٹھیک رہتی ہے اور کہیں سرکٹ شارٹ ہو جائے تو بندہ بیمار ہو جاتا ہے، کہتے ہیں کہ اس کو Misthenia Gravous کی بیماری ہے، اس کو فلاں بیماری ہے، اس کو فلاں بیماری ہے، یوں بندے کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ جس طرح ہمارے گھروں میں بجلی کے تاروں پر پی وی سی انسولیشن چڑھی ہوتی ہے اسی طرح ہمارے جسم میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہر نرو کو دوسری نرو سے (Insulate) انسولیٹ کیا ہوا ہے۔ ایک نرو دوسری نرو سے شارٹ سرکٹ نہیں ہو سکتی۔ اب آپ سوچئے کہ یہ کتنا Complicated System (پیچیدہ نظام) ہے جو ہمارے جسم میں ٹھیک کام کر رہا ہے۔ کبھی ہم نے اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا ہے؟

یاد رکھیں کہ کچھ چیزوں کا ہونا انسان کے لئے نعمت ہے اور کچھ چیزوں کا نہ ہونا انسان کے لئے نعمت ہے۔ مثال کے طور پر ہم اگر کوئی چیز کھائیں تو وہ آرام سے پیٹ میں چلی جاتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ لیکن کچھ ایسے بھی

لوگ ہوتے ہیں جو ہر چیز نہیں کھا سکتے۔ایک خاتون نے فون پر دعاؤں کے لئے کہا وہ لاہور رہتی ہے وہ کہنے لگی کہ پورے سات سال گذر گئے ہیں، میں سیون اپ یا کوئی جوس وغیرہ پینے کے علاوہ اور چیز روٹی وغیرہ کھا نہیں سکتی۔اگر کھانے کی کوشش کروں تو فوراً قے آ جاتی ہے۔کہنے لگی کہ میں سات سال سے گھر والوں اور رشتہ داروں کے لئے دعوتوں کے کھانے پکاتی ہوں مگر خود ان کھانوں کے کھانے سے محروم ہوں۔میں تو کھانے کو ترس گئی ہوں۔ اب بتائیے کہ وہ تو سات سال سے کھانا نہیں کھا سکی۔اگر ہم صبح، دوپہر، شام کھاتے ہیں۔کبھی ہم نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہ اللہ کی نعمت ہے کہ آسانی سے اندر چلا جاتا ہے اور اندر کا کھانا باہر نہیں آتا۔

غذا کی نالی کا والو

غذا کی نالی کے اندر ایک والو ہے۔وہ ایسا والو ہے کہ انسان جو کھانا کھاتا ہے وہ اس کو اندر تو جانے دیتا ہے لیکن وہ اس کو باہر نہیں آنے دیتا۔ وہ Non-return volve ہے۔یعنی جب غذا اندر جاتی ہے تو وہ کھل جاتا ہے اور جب باہر نکلنے لگتی ہے تو بند ہو جاتا ہے اور غذا کو واپس نہیں آنے دیتا۔اس لئے آپ ابھی روٹی کھائیں اور ابھی سر کے بل الٹے کھڑے ہو جائیں تو آپ کے منہ سے کھانا نہیں نکلے گا۔

لیٹنے سے محروم ہونے والے ڈاکٹر

امریکہ میں ہمارے ایک دوست ڈاکٹر ہیں۔ وہ خود ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔اللہ کی شان کہ ان کا یہ والو خراب ہو گیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ جو کچھ معدے میں

ہوتا ہے وہ ذرا بھی الٹے ہوں تو وہ سب کچھ منہ سے باہر نکلتا ہے۔ ان کی پریشانی حد سے بڑھ گئی۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ لہٰذا آپ کو اپنی باقی زندگی بیٹھ کر گزارنا پڑے گی۔ آپ لیٹ بھی نہیں سکتے۔ چنانچہ جب وہ ہمیں ملنے کے لئے آتے ہیں تو سب لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں لیکن وہ بیچارے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر پاؤں لمبے کر کے بیٹھے ہوتے ہیں اور اسی حالت میں ان کو نیند آ جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ نے مجھ سے لیٹ کر سونے والی نعمت چھین لی ہے۔ ان کو دیکھ کر ہمیں یہ احساس ہوا کہ اے مالک! لیٹ کر بستر پر آرام سے سو جانا آپ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

آنکھ کا وائپر

ایک آدمی کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ ان کی آنکھ کا پپوٹا کٹ گیا۔ ان کی ایک آنکھ پر پردہ تھا اور دوسری پر نہیں، جیسے مچھلی کی آنکھ ہوتی ہے۔ چند دنوں میں ان کا زخم تو ٹھیک ہو گیا لیکن پریشانی یہ تھی کہ ہر دو تین گھنٹوں کے بعد آنکھ کی بینائی دھندلی ہو جاتی۔ ڈاکٹر نے کہا کہ ہوا میں مٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہوتے ہیں، وہ آنکھ پر جم جاتے ہیں۔ اس لئے آپ کو بار بار آنکھ دھونا پڑے گی۔ چنانچہ اسے ہر دو گھنٹے بعد آنکھ دھونا پڑتی۔ آپ جانتے ہیں کہ جب آدمی پانی میں زیادہ دیر نہائے یا کپڑے یا برتن دھوئے تو ہاتھ کیسے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ بار بار آنکھ کو دھونے لگے تو ان کے رخسار کے اوپر زخم سا بن گیا۔ اس کے بعد پانی لگنے سے انہیں جلن محسوس ہونے لگی۔ وہ پریشان تھے۔ ڈاکٹروں کو بتایا تو وہ کہنے لگے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ایک دن وہ بڑا رویا اور ڈاکٹروں سے کہا کہ اس کا کوئی حل نکالیں۔ مگر ڈاکٹروں نے کہا کہ بات

دراصل یہ ہے کہ انسان کی آنکھ کو صاف رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کا یہ پردہ بنایا ہے اور اس پردے کو وائپر بنا دیا ہے۔ جو انسان کی آنکھ کی سکرین کو خود بخود صاف کرتا رہتا ہے۔ ہم کھانا کھا رہے ہوتے ہیں، پانی پی رہے ہوتے ہیں، بات کر رہے ہوتے ہیں، مگر ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا اور پلک خود بخود جھپک رہی ہوتی ہے۔ اب آپ کی آنکھ کا وائپر ختم ہو چکا ہے اس لئے آپ کو یہ آنکھ بار بار صاف کرنا پڑے گی۔ ڈاکٹر کی بات سن کر وہ کہنے لگے، اے اللہ! پلک کا جھپکنا تیری کتنی بڑی نعمت تھی۔

دمہ کے مریضوں کی بے چینی

آپ ذرا اس آدمی کو دیکھیں جو Asthma (دمہ) کا مریض ہو۔ ہم نے ایسے مریضوں کو دیکھا ہے۔ ان بیچاروں کی اندر کی سانس اندر اور باہر کی باہر رہتی ہے۔ ان کی حالت بالکل ایسے ہوتی ہے جیسے مرغ نیم بسمل کی تڑپتے وقت ہوتی ہے، سانس ان کے قابو میں نہیں ہوتی۔ گویا سانس کا آرام سے اندر چلے جانا اور پھر اندر سے آرام سے باہر آ جانا اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ایسے مریضوں نے اپنے پاس پمپ رکھے ہوتے ہیں۔ ذرا سی گرد یا مٹی آ جائے تو پمپ لگا لیتے ہیں اور کہتے ہیں جی کہ کیا کریں، سانس اکھڑ جاتا ہے۔

پیالہ بھر پانی کی قیمت

ایک مرتبہ سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ وقت کا بادشاہ ہارون الرشید اس وقت ان کے دربار میں موجود تھا۔ ہارون الرشید کو پیاس

لگی۔ اس نے اپنے خادم سے کہا کہ مجھے پانی پلاؤ۔ خادم ایک گلاس میں ٹھنڈا پانی لے کر آیا۔ جب بادشاہ نے گلاس ہاتھ میں پکڑ لیا تو سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں کہا کہ بادشاہ سلامت! ذرا رک جائیے۔ وہ رک گئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ایک بات بتائیے کہ جیسے آپ کو ابھی پیاس لگی ہے ایسے ہی آپ کو پیاس لگے اور پوری دنیا میں اس پانی کے سوا کہیں اور پانی نہ ہو تو آپ یہ بتائیں کہ آپ اس پیالے کو کتنی قیمت میں خریدنے پر تیار ہو جائیں گے؟ ہارون الرشید نے کہا، میں تو آدھی سلطنت دے دوں گا۔ پھر سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر آپ یہ پانی پی لیں اور یہ آپ کے پیٹ میں چلا جائے، لیکن اندر جا کر آپ کا پیشاب بند ہو جائے اور پھر وہ نکل نہ پائے اور پوری دنیا میں صرف ایک ڈاکٹر یا حکیم ہو جو اسے نکال سکتا ہو تو بتائیے کہ اس کو نکالنے کی فیس کتنی دیں گے؟ سوچ کر ہارون الرشید نے کہا، بقیہ آدھی سلطنت بھی اس کو دے دوں گا۔ وہ کہنے لگے، بادشاہ سلامت! ذرا غور کرنا کہ آپ کی پوری سلطنت پانی کا ایک پیالہ پینے اور پیشاب بن کر نکلنے کے برابر ہے۔ اللہ اکبر کبیرا

اگر ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں پر غور کریں تو پھر دل سے یہ آواز نکلے گی کہ ہمیں اپنے رب کا بہت زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے۔ ہم پر تو اس کی بڑی نعمتیں ہیں۔ ہم تو واقعی ان کا شکر ادا ہی نہیں کر سکتے۔

اولاد والی نعمت

جن کے پاس اولاد ہے وہ ذرا اس بندے سے بات کر کے دیکھیں جس کو اولاد نہیں ملی۔ ہم نے لوگوں کو اولاد کے لئے روتے ہوئے دیکھا ہے۔ عورتیں

بیچاری رو رو کر اللہ سے اولاد مانگتی ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اولاد والی نعمت عطا فرما مگر اولاد نہیں ملتی۔ ڈاکٹروں کو فیس بھی دیتی ہیں، چیک اپ بھی کرواتی ہیں، اور سارا کچھ کرنے کے بعد پھر بھی رو کر دعائیں مانگ رہی ہوتی ہیں۔ پروردگار نے ہمیں جو اولاد عطا فرمائی ہے وہ اللہ رب العزت کا کتنا بڑا اکرم ہے۔

بھکاری عورتوں کا مقدر

آپ نے بڑے شہروں میں دیکھا ہوگا کہ وہاں لڑکیاں اور عورتیں مانگنے والی پھر رہی ہوتی ہیں۔ کئی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ آپ سٹاپ پر کھڑے ہوتے ہیں۔ اچانک کوئی شیشہ کھٹکھٹاتا ہے، آپ دیکھتے ہیں تو مانگنے والی عورت نظر آتی ہے۔ جب کوئی مانگنے والی عورت دروازہ کھٹکھٹاتی ہے تو میرا دل کانپ جاتا ہے اور ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اے اللہ! یہ بھی تو کسی کی بیٹی ہوگی، کسی کی بہن ہوگی اور کسی کی ماں ہوگی۔ آپ نے اس کا کیا مقدر بنایا کہ یہ غیر مردوں کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلاتی پھرتی ہے، دھوپ میں دھکے کھاتی پھرتی ہے، کبھی اس کے پاس کبھی اس کے پاس۔ اس پر کیسی کیسی نگاہیں پڑتی ہیں، اسے کیسی کیسی باتیں سننا پڑتی ہیں، کوئی دے دیتا ہے کوئی ٹھکرا دیتا ہے اور یہ مانگ مانگ کر ٹکڑے کھا رہی ہوتی ہے۔ آپ نے ہماری عورتوں کو گھر کے اندر پردے میں رہ کر من مرضی کی غذائیں پکا کر کھانے کی جو نعمت دی، ہم تو اس نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے۔ اگر خدانخواستہ ہماری عورتوں کو بھی روٹی کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑتا تو کیا بنتا؟ یہ غیرتیں کدھر جاتیں۔ ہماری عزتیں اس لئے محفوظ ہیں کہ گھر بیٹھے رزق مل جاتا ہے، ہم اپنی من پسند کے کھانے کھاتے

ہیں۔ صبح اٹھ کر عورتیں میاں سے پوچھتی ہیں کہ آج کیا پکانا ہے یعنی اللہ رب العزت نے اتنا دیا ہوا ہے کہ جو چاہیں پکا سکتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے۔ہمیں اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اپنی اوقات کو نہ بھولیں

انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی اوقات کو یاد رکھے۔ یاد رکھنا کہ جو بندہ اپنی اوقات بھول جاتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔اس بات کا استحضار رہے کہ ہم کیا تھے اور کیا بنے پھرتے ہیں۔ ذرا بتائیں کہ جب ہم دنیا میں آئے تھے اس وقت کیا مال ہمارے پاس تھا؟ کیا مکان ہمارے پاس تھا؟ کیا بیوی بچے تھے؟نہیں، کچھ بھی نہیں تھا،سب کچھ دنیا میں ملا۔ یہ سب کچھ کس نے دیا؟ اللہ رب العزت نے دیا۔

ایک بے ادب کی سرزنش

ایک بے ادب اور گستاخ آدمی مجھے کہنے لگا کہ یہ سب کچھ ہم نے اپنی عقل سے کمایا، اچھے فیصلے کئے اور محنت سے کمایا۔ میں نے کہا، اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں عقل کس نے دی؟ وہ کہنے لگا، اللہ نے۔ میں نے کہا، تمہیں محنت کرنے کی توفیق کسی نے دی؟ وہ کہنے لگا، اللہ نے۔ میں نے کہا کہ پھر معلوم یہ ہوا کہ رزق تو پھر اللہ نے ہی دیا۔

ایک سبق آموز حکایت

حضرت مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ ترجمان السنہ میں ایک حدیث نقل

فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیلکے تین آدمی تھے۔ان میں سے ایک آدمی برص کا مریض تھا۔اس کے پاس ایک آدمی نے آ کر کہا کہ بھئی! کیا آپ کی کوئی پریشانی ہے؟اس نے کہا، میں کونسی پریشانی آپ کو بتاؤں؟ایک تو میں برص کا مریض ہوں جس کی وجہ سے لوگ میری شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور دوسرا رزق کی بڑی تنگی ہے۔اس آدمی نے کہا، اچھا اللہ تعالیٰ آپ کی بیماری بھی دور کر دے اور آپ کے رزق میں برکت بھی عطا فرما دے۔نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری بھی دور کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایک اونٹنی عطا فرمائی۔اس اونٹنی کی نسل اتنی بڑھی کہ وہ ہزاروں اونٹوں اور اونٹنیوں کے ریوڑ کا مالک بن گیا۔جس کی وجہ سے وہ بڑا امیر آدمی بن گیا اور رہائش کے لئے محلات بنا لئے۔

دوسرا آدمی گنجا تھا۔وہ آدمی اس گنجے کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی پریشانی ہے؟ اس نے کہا، جناب میرے سر پر تو بال ہی نہیں ہیں۔جس کے پاس بیٹھوں وہی مذاق کرتا ہے، جو کاروبار کرتا ہوں ٹھیک نہیں چلتا۔اس نے کہا، اچھا اللہ تعالیٰ تجھے سر پر خوبصورت بال بھی عطا کرے اور تجھے اللہ تعالیٰ رزق بھی دے دیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک گائے عطا کی۔اس گائے کی نسل اتنی بڑھی کہ وہ ہزاروں گائیوں کے ریوڑ کا مالک بن گیا۔وہ بھی عالیشان محل میں بڑی ٹھاٹھ کی زندگی گزارنے لگ گیا۔

تیسرا آدمی آنکھوں سے اندھا تھا۔وہ آدمی اس اندھے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا، بھئی! آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں؟اس نے کہا، جی میں تو در بدر کی ٹھوکریں کھاتا ہوں۔لوگوں کے گھروں سے جا کر مانگتا ہوں، ہاتھ پھیلاتا

ہوں، میری بھی کوئی زندگی ہے، ٹکڑے مانگ مانگ کر کھاتا پھرتا ہوں، میں نہ اپنی ماں کو دیکھ سکتا ہوں اور نہ باپ کو، اس کے علاوہ رزق کی تنگی بھی ہے۔ اس آدمی نے اس کی بینائی کے لئے اور رزق کی فراخی کے لئے دعا کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بینائی بھی دے دی اور اس کو ایک بکری دی۔ اس بکری کا ریوڑ اتنا بڑھا کہ وہ ہزاروں بکریوں کا مالک بن گیا۔ اس طرح وہ بھی عالیشان محل میں عزت کی زندگی گزارنے لگ گیا۔ کئی سالوں کے بعد وہ تینوں اپنے وقت کے سیٹھ کہلانے لگے۔

کافی عرصہ گزرنے کے بعد وہی آدمی پہلے کے پاس آیا۔ اس نے اسے کہا کہ میں ایک محتاج ہوں، اللہ کے نام پر مانگنے کے لئے آیا ہوں۔ اسی اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا، آپ کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا، آج اتنا کچھ آپ کے پاس ہے، آپ اس میں سے اسی اللہ کے نام پر مجھے بھی کچھ دے دیں۔ جب اس نے سنا کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تھا تو اس کا پارہ چڑھ گیا اور کہنے لگا، ذلیل قسم کے لوگ مانگنے کے لئے آجاتے ہیں، خبردار! آئندہ ایسی بات نہ کرنا، میں امیر، میرا باپ امیر اور میرا پردادا امیر تھا۔ ہم تو جدی پشتی امیر ہیں، تم کون ہو بات کرنے والے کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تھا، چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں جوتے لگواؤں گا۔ چنانچہ اس نے کہا، اچھا میاں! ناراض نہ ہونا، تم جیسے تھے اللہ تمہیں ویسا ہی کر دے۔ وہ جب یہ کہہ کر چلا گیا تو اس کے جانوروں میں ایک بیماری پڑ گئی اور اس کے سب اونٹ وغیرہ مر گئے اور برص کی بیماری بھی دوبارہ لگ گئی، گویا وہ جس پوزیشن میں تھا اسی پوزیشن میں دوبارہ لوٹ آیا۔

اس کے بعد وہ دوسرے شخص کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میں محتاج ہوں، میں اسی اللہ کے نام پر مانگنے آیا ہوں جس نے آپ کو سب کچھ دیا ہے، آپ کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا، آج اتنا کچھ ہے۔ جب اس نے یہ بات کی تو وہ بڑا غصے میں آ گیا اور کہنے لگا، تم تو مفت خورے ہو، ہم نے کما کر اتنا کچھ بنایا ہے، میں نے فلاں سودا کیا تو اتنی بچت ہوئی اور فلاں سودا کیا تو اتنے کمائے، لوگ مجھے بڑا بزنس مائینڈڈ کہتے ہیں۔ میری تو یہ خون پسینے کی کمائی ہے، ایسے ہی درختوں سے توڑ کر نہیں لائے اور نہ یہ چوری کا مال ہے۔ اب چلا جا یہاں سے ورنہ دو تھپڑ لگاؤں گا۔ جب اس امیر ادمی نے خوب ڈانٹ ڈپٹ کی تو اس نے کہا، بھئی! ناراض نہ ہونا، تم جیسے پہلے تھے اللہ تمہیں دوبارہ ویسے ہی کر دے۔ چنانچہ اس کے سر کے بال بھی غائب ہو گئے اور اللہ رب العزت نے اس کی گائیوں میں ایک ایسی بیماری پیدا کر دی جس سے سب گائیں مر گئیں۔ اس طرح وہ جیسا پہلے تھا ویسا ہی بن گیا۔

اس کے بعد وہ آدمی تیسرے کے پاس گیا اور اسے کہا، بھئی! میں اللہ کے نام پر مانگنے آیا ہوں محتاج ہوں، آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا، اب اسی اللہ کے نام پر مجھے بھی کچھ دے دو۔ جب اس نے یہ بات کی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کہنے لگا، بھئی! تم نے بالکل سچ کہا، میں تو اندھا تھا، لوگوں کے لئے تو رات کو اندھیرا ہوتا ہے اور میرے لئے تو دن میں بھی اندھیرا ہوا کرتا تھا، میں تو در در کی ٹھوکریں کھاتا تھا، لوگوں سے مانگ مانگ کر زندگی گزارتا تھا، میری بھی کوئی حالت تھی؟ کوئی خدا کا بندہ آیا، اس نے مجھے دعا دی، اللہ نے مجھے بینائی بھی دے دی اور اتنا رزق بھی دے

دیا۔ آج آپ اس اللہ کے نام پر مانگنے کے لئے آئے ہیں تو میاں ! ان دو پہاڑوں کے درمیان ہزاروں بکریاں پھر رہی ہیں، جتنی چاہو تم اللہ کے نام پر لے جاؤ۔ جب اس امیر ادمی نے یہ بات کی تو مخاطب کہنے لگا، مبارک ہو، میں تو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے تین بندوں کی طرف آزمائش بنا کر بھیجا تھا، دو تو اپنی اوقات کو بھول گئے ہیں مگر تم نے اپنی اوقات کو یاد رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تیرے مال میں اضافہ زیادہ برکت عطا فرمائے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ وہ آدمی بنی اسرائیل کا سب سے بڑا امیر کبیر آدمی تھا۔ ثابت ہوا کہ بندہ اگر اپنی اوقات اور بنیاد کو یاد رکھے تو اللہ تعالیٰ برکت دے دیتے ہیں۔

تکبر کا بول

آپ نے کئی لوگوں کو دیکھا ہوگا، ان کا کام بڑا اچھا ہوتا ہے، پھر یک دم سب نیچے آجاتے ہیں۔ پھر آکر کہتے ہیں کہ حضرت! پہلے لاکھوں لینے تھے، اب لاکھوں دینے ہیں۔ پہلے ہم مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے تو سونا بن جاتا تھا اور اب سونے کو ہاتھ لگاتے ہیں تو مٹی بن جاتا ہے، پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ یا تو وہ اپنی اوقات کو بھول کر ناشکری کرتے ہیں یا پھر کوئی تکبر کا بول بولتے ہیں۔ تکبر کا بول اللہ تعالیٰ کو بڑا ناپسند ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ رب العزت ان سے نعمتیں واپس لے لیتے ہیں۔

میز کے دوسری طرف

میرے دوستو! یہ بات یاد رکھنا کہ جو پروردگار دینا چاہتا ہے وہ پروردگار لینا بھی جانتا ہے۔ بندے کو بندگی اور عاجزی ہی سجتی ہے۔ لیکن جو بندہ ''میں''

دکھائے اور اس میں بڑا پن آجائے تو پھر اللہ رب العزت اس کے حالات کا رخ بدل دیتے ہیں۔

He can put us on the other side of the table.

وہ جب چاہے ہمیں میز کے دوسری طرف بٹھا سکتا ہے۔ آج اس نے دینے والا بنایا ہے، اگر وہ چاہے تو کل ہمیں لینے والا بھی بنا سکتا ہے۔ پھر ہم مانگتے پھر رہے ہوں گے۔

ایک زریں اصول

میرے دوستو! ایک اصول یاد رکھنا کہ نعمتوں کی قدردانی کے لئے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کرنا، بلکہ اس سے پہلے پہلے نعمتوں کی قدر کر لینا۔ کیونکہ نعمتوں کے چھن جانے کے بعد تو یہ ضرب المثل صادق آتی ہے ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت'' آج کے اس پورے بیان کا خلاصہ جو یہ عاجز آپ کو سمجھانا چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ نعمتوں کی موجودگی میں نعمتوں کی قدردانی کرنا سیکھئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اور زیادہ اضافہ فرمادیں گے اور اگر ہم تکبر کی باتیں کریں گے تو یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تکبر کو ناپسند فرماتے ہیں۔

تکبر کی سزا

ہمارے شہر میں ایک بڑا زمیندار آدمی تھا۔ انگریزوں کی حکومت نے اسے اتنی زمینیں دیں کہ ریل گاڑی چلتی تو اگلا سٹیشن اسی کی زمین میں آتا تھا، پھر ریل گاڑی چلتی تو دوسرا اسٹیشن بھی اس کی زمین ہی میں آتا تھا، پھر ریل گاڑی

چلتی تو تیسرا اسٹیشن بھی اس کی زمین میں آتا تھا۔ گویا ریل گاڑی کے تین اسٹیشن اس کی زمینوں میں آتے تھے۔ وہ اربوں پتی آدمی تھا۔ اس کا عالیشان گھر تھا، خوبصورت بیوی تھی اور ایک ہی بیٹا تھا۔ اس کی زندگی ٹھاٹھ کی گزر رہی تھی۔ وہ ایک مرتبہ اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کے ایک چوک میں کھڑا آئس کریم کھا رہا تھا۔ اسی دوران اس کے دوستوں نے کہا کہ آج کل کاروبار اچھا نہیں ہے، کچھ پریشانی ہے اور ہم مصروف رہتے ہیں۔ یہ سن کر اس کے اندر ''میں'' آئی اور وہ کہنے لگا، یار! تم بھی کیا ہو، ہر وقت پریشان پھرتے ہو کہ آئے گا کہاں سے؟ لیکن میں تو پریشان پھرتا ہوں کہ لگاؤں گا کہاں پہ۔ میری تو اکیس نسلوں کو بھی کمانے کی پروا نہیں ہے۔

جب اس نے تکبر کی یہ بات کی تو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند آئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ چھ مہینوں کے اندر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ پیچھے اس کا نوجوان بیٹا تھا۔ اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی۔ وہ اس کی ساری جائیداد کا وارث بن گیا۔ اٹھتی جوانی تھی اور پیسہ بھی بے حد و حساب تھا۔ اسی طرح کے اس کے دوست بھی بن گئے جنہوں نے اس کو غلط راستے پر ڈال دیا۔ اس کو شباب اور شراب والے کام سکھا دیئے۔ اٹھتی جوانی میں یہ جنسی گناہ بڑے **Attractive** (پرکشش) ہوتے ہیں۔ آدمی چاہتا ہے کہ کھانا ملے یا نہ ملے البتہ یہ گناہ کرنے کا موقع ضرور ملنا چاہئے۔ چنانچہ اس کو روزانہ نئے مہمان مل جاتے۔ اس طرح وہ پیسہ پانی کی طرح بہانے لگ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے بڑے شہروں کا رخ کر لیا۔ اس نے چند سالوں میں خوب جی بھر کر عیاشی کی۔ اسے کوئی ایسا دوست ملا جس نے اسے کہا کہ آؤ ذرا ہم تمہیں باہر ملک کی سیر کراتے ہیں۔ وہ اسے

تھائی لینڈ لے گیا۔ وہاں پر اس نے چٹی چمڑی (گورے رنگ والی لڑکیوں) سے اس کا تعارف کروا دیا۔ وہاں کے کلبوں میں بھی دریا کی طرح پیسہ بہایا۔ وہاں اس نے ساری ساری رات عیاشی کرنے میں گزار دی۔ حتیٰ کہ سارا بنک بیلنس ختم ہو گیا۔

اب نہ صحت رہی اور نہ پیسہ رہا۔ ایک وہ وقت بھی آیا کہ واپس آ کر اس کو گھر بھی بیچنا پڑ گیا۔ چنانچہ جب گھر بھی بک گیا تو اس نے فٹ پاتھ پر سونا شروع کر دیا اور جس چوک میں کھڑے ہو کر اس کے باپ نے تکبر کی بات کی تھی اسی چوک میں اس کا یہ بیٹا کھڑے ہو کر بھیک مانگا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ تمہیں ہم نے جو اتنا دیا ہے اس پر تکبر کرتے ہو، کہتے ہو کہ میں پریشان ہوں کہ لگاؤں گا کہاں پہ اور تم کہتے ہو کہ میری اکیس نسلوں کو بھی کمانے کی پروا نہیں۔ نہیں، جہاں تم کھڑے ہو، یہیں تمہارا بیٹا کھڑا ہو کر بھیک مانگا کرے گا۔ میرے دوستو! ہو سکتا ہے کہ باقی گناہوں کی سزا فقط آخرت میں ملے، لیکن تکبر وہ گناہ ہے کہ جس کی آخرت میں سزا تو ملے گی ہی سہی، اللہ تعالیٰ اس کی سزا دنیا میں بھی ضرور دیا کرتے ہیں۔

شکر کا مفہوم

لفظ ''شکر'' کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟ اپنے محسن کے احسانات کو یاد کرتے ہوئے اس کی تعریفیں کرنا، اس کی بات کو مان لینا اور اس کی نافرمانی کرنے سے شرما جانا شکر کہلاتا ہے۔

احسانات کو یاد کر کے اس کی تعریف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آج کوئی سیون اپ پلا دے تو اسے Thankyou کہہ دیتے ہیں۔ جو سوڈے کی

بوتل پلا دے اس کا تو شکریہ ادا کرتے ہیں اور جو روز صبح دوپہر شام کھانا کھلائے اس کا شکرادا کرنا یاد ہی نہیں ہوتا۔ جس نے بیٹے کی نوکری لگوادی اس کی تعریفیں کرتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ جی اس نے میرے بیٹے کی نوکری لگوائی ہے اور جو سارے گھر والوں کو رزق دینے والی ذات ہے اس کی تعریف زبان سے نکلتی ہی نہیں ہے۔ محسن کی بات کو مان لینا بھی اس کا شکر ہی ہوتا ہے۔ اور اس کی نافرمانی کرنے سے شرمانا، کہ بھئی! اس کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں، اس کی تو مجھ پر بڑی نوازشات ہیں جن کی وجہ سے میں انکار نہیں کر سکا، یہ بھی شکر ہے۔ عام دستور بھی ہے کہ آدمی کہتے ہیں کہ فلاں کے پاس مجھے جانا ہے، اس نے کام کہا تھا، اس کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں، میں اگر اب اس کا کام نہیں کروں گا تو وہ مجھے کیا کہے گا۔

احساس شکر پیدا کرنے کی ضرورت

ہمیں چاہئے کہ ہم تینوں طرح سے اللہ کا شکرادا کریں۔ ایک تو زبان سے اپنے رب کی تعریفیں ڈٹ کر کریں۔ جتنی تعریفیں کر سکتے ہیں خوب کریں۔ مگر آج تو یہ حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا دیا ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ساتھ دس اور گھروں کی بھی آسانی سے کفالت کر سکتا ہے، مگر جب اس سے پوچھیں کہ کاروبار کا کیا حال ہے تو وہ کہتا ہے کہ جی بس گزارہ ہے۔ میرے دوستو! اس سے بڑا ناشکری والا لفظ اور کونسا ہے؟ زبان چھوٹی کیوں ہوگئی؟ کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری اوقات سے بڑھ کر عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے کاموں میں برکت عطا کی ہوئی ہے۔ پروردگار نے مجھے جتنا کچھ دیا ہوا ہے میں تو اس کے قابل نہیں تھا۔ میں تو اللہ کی نعمتوں کا شکر بھی ادا

نہیں کر سکتا۔ اگر میں زندگی بھر سجدے میں سر ڈالے رکھوں تو میں پھر بھی اپنے پروردگار کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ میرا تو اگر بس چلے تو میں تو اللہ کے نام پر قربان ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے بے قدرے کو بھی نعمتیں دے دی ہیں۔ اگر ہم سوچیں تو ہم واقعی بے قدرے ہیں۔ ہمارا پروردگار کتنا بلند و بالا ہے۔ جو بے قدروں کو بھی نعمتیں دے دیتا ہے۔ یوں احساس شکر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

لسانی شکر

ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر وقت اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریفیں کریں۔ مثال کے طور پر جب ہم ٹھنڈا پانی پئیں تو الحمد للہ کہیں اور گرم روٹی کھائیں تو الحمد للہ کہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے نے کسی نعمت پر الحمد للہ کہہ دیا گویا اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا۔ بیٹے پر نظر پڑے تو الحمد للہ کہیں، گھر پر نظر پڑے تو الحمد للہ کہیں، دکان پر جا کر بیٹھیں تو الحمد للہ کہیں۔ اللہ کا شکر ادا کریں کہ اے اللہ! ایک مکان کی چھت ہے اور ایک اس کے اوپر نیلی چھت ہے، تو نے دو چھتوں کے نیچے زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما دی۔ وہ بھی تو ہیں جو نیلی چھت کے نیچے پڑے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس سردی گرمی سے بچنے کے لئے کوئی چیز نہیں ہوتی۔

میرے دوستو! اپنے گھروں میں الحمد للہ کہنے کی عادت خوب ڈالیں۔ ہمارے ماحول معاشرے میں بہت کم لوگ الحمد للہ کہتے ہیں۔ یہ بات عورتوں کو سکھانی چاہیئے تاکہ وہ اپنے بچوں کو سکھائیں۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں کہا کریں کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیابی دے دی۔ الحمد للہ خوب کہا کریں۔

دوسرا سبحان اللہ بار بار کہا کریں۔ تیسر الفظ اللہ اکبر ہے، ایک اور لفظ لا الہ الا اللہ ہے اگر یہ الفاظ اکثر زبان پر رکھیں گے تو گویا یہ لسانی شکر ادا ہو جائے گا۔

جسمانی شکر

کوشش کیا کریں کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی فرمانبرداری کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا اے ایمان والو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ چونکہ ہم اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں اسی لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اس کی عبادت بھی خوب کریں۔ یہ جسمانی شکر ہوگا۔

نعمتوں کی بقا کا آسان طریقہ

اللہ رب العزت فرماتے ہیں لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (ابراہیم: ۷) اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمتیں ضرور بالضرور اور زیادہ عطا کریں گے۔ گویا شکر ایک ایسا عمل ہے کہ جس کی وجہ سے نعمتیں باقی بھی رہتی ہیں اور بڑھتی بھی چلی جاتی ہیں۔ نعمتوں کو باقی رکھنے کے لئے آسان طریقہ یہی ہے۔

ٹوٹے رشتے وہ جوڑ دیتا ہے
بات رب پہ جو چھوڑ دیتا ہے
اس کے لطف و کرم کا کیا کہنا
لاکھ مانگو کروڑ دیتا ہے

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مانگنے والوں کو اپنے مانگنے میں کمی کا شکوہ رہا جب کہ دینے والے کے خزانے بہت زیادہ ہیں اور مانگنے والوں کے دامن چھوٹے

ہیں جو جلدی بھر جاتے ہیں۔

قوم سبا کا عبرتناک انجام

میرے دوستو! اگر ہم ناشکری کریں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریفیں بھی نہ کریں اس کے حکموں کی فرمانبرداری بھی نہ کریں اور گناہوں سے بھی نہ بچیں تو پھر اللہ رب العزت اپنی نعمتوں کو واپس لے لیں گے۔ اس لئے کفران نعمت سے بچنے کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید میں ایک قوم کا تذکرہ موجود ہے۔ جسے قوم سبا کہتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں ان کے راستے کے دونوں طرف باغات ہوتے تھے۔ پھلوں کی اتنی بہتات ہوتی تھی کہ اگر کوئی آدمی خالی ٹوکری لے کر باغات میں سے گزرتا تو گرنے والے پھلوں سے اس کی ٹوکری بھر جایا کرتی تھی۔ پھل توڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی تھی۔ ان کے ہاں یہ بھی دستور تھا کہ جہاں سے بھی کوئی پھل توڑنا چاہتا تھا توڑ سکتا تھا۔ کوئی پابندی نہیں ہوتی تھی، اس طرح وہ ہر وقت پھل کھایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے فرمایا، كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ میرے بندو! میری دی ہوئی نعمتیں کھاؤ اور میرا شکر ادا کرو۔ مگر وہ ناشکرے نکلے۔ اور کہنے لگے، اے اللہ! ہر طرف سبزہ ہے، باغات اور پھل ہیں ہم تو ان کو دیکھ دیکھ کر تنگ آ گئے ہیں۔ ہم ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کرتے ہیں تو پتہ ہی نہیں چلتا کیونکہ ہر طرف درخت ہوتے ہیں اور دوسرا شہر آ جاتا ہے، درمیان میں اگر کوئی ویرانہ ہوتا تو پتہ چلتا کہ ہم ایک شہر سے دوسرے شہر میں جا رہے ہیں۔ جب انہوں نے ناشکری کی یہ بات کی تو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر کے پانی کو خشک کر دیا۔

جب پانی خشک ہو گیا تو سب باغات کے درخت سوکھ گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم کر دیئے گئے اور کھانے کو بھی ترسنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ میرے دوستو! قیامت کے دن آپ یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہمیں کوئی قرآن سنانے والا نہیں آیا تھا جو ہمیں کھول کھول کر بتاتا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتنی کتنی نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَمِينٍ وَّ شِمَالٍ (سبا:۱۵) قوم سبا کے گھروں میں بڑی نشانیاں ہیں۔ وہ جن راستوں پر چلتے تھے ان کے دائیں طرف بھی باغ ہوتے تھے اور بائیں طرف بھی باغ ہوتے تھے۔ كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُورٌ ○ (سبا:۱۵) اور فرمایا کہ میرا دیا ہوا رزق کھاؤ اور میرا شکر ادا کرو، کتنا پاکیزہ شہر ہے۔ اگر تم سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو معافی مانگ لینا، تمہارا پروردگار تو مغفرت کرنے والا ہے۔ مگر وہ اس نعمت کی قدر نہ کر سکے اور کہنے لگے رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا (سبا:۱۹) اے اللہ! درمیان میں کوئی کھلی جگہ اور ویرانے ہوتے تا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہوئے پتہ چلتا کہ سفر کیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے باغات کو ختم فرما دیا اور پھر آخر پر فرمایا ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَ هَلْ نُجٰزِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ (سبا:۱۷) انہوں نے نعمتوں کی ناقدری کی اور ہم نے ان کو نعمتوں کی ناقدری کا یہ بدلہ دیا۔ اور ناشکروں کا تو یہی بدلہ ہوتا ہے۔

بھوک ننگ اور خوف کا لباس

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ایک اور بستی والوں کے بارے میں فرماتے

ہیں کہ اس بستی والوں کے پاس امن بھی تھا اور اطمینان بھی تھا۔ مطلب یہ ہے کہ باہر کے دشمن کا کوئی خوف نہیں تھا بلکہ امن تھا، اور اندر کا کوئی غم نہیں تھا بلکہ اطمینان تھا۔ اور ان پر چاروں طرف سے رزق کی بہتات ہوتی تھی۔ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناقدری کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے ان کو خوف اور بھوک ننگ کا لباس پہنا دیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے لباس کا لفظ استعمال فرایا ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے عجیب نکتہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح لباس بندے کے پورے جسم پر آتا ہے۔ اسی طرح بھوکے آدمی کا پورا جسم نحیف ہوتا ہے۔ گویا وہ بھوک کا لباس ہے۔ اور جو بندہ ڈر جاتا ہے اس کا پورا جسم پیلا پڑ جاتا ہے۔ گویا وہ پیلا ہٹ بھی پورے جسم کا لباس ہے۔ اللہ تعالیٰ گویا یہ فرمارہے ہیں کہ جس طرح لباس پورے جسم پر پہنا دیتے ہیں اسی طرح ہم نے ان کو بھوک ننگ اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ سنئے قرآن عظیم الشان وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً (النحل:۱۱۲) اور اللہ مثال بیان فرماتا ہے ایک بستی والوں کی جن کے پاس امن بھی تھا اور اطمینان بھی تھا۔ يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ ان پر چاروں طرف سے رزق کی بارش تھی مگر فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی۔ پھر کیا ہوا؟ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (النحل:۱۱۲) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک ننگ اور خوف کا لباس پہنا دیا کیونکہ وہ کرتوت ہی ایسے کیا کرتے تھے۔

ہمارے شکووں کا علاج

میرے دوستو! آج ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ بھوک

ننگ اور خوف کا لباس ہمیں بھی پہنا دیا گیا ہو۔لگتا تو یہی ہے کہ آج ہمیں بھی بھوک ننگ اور خوف کا لباس پہنا دیا گیا ہے کیونکہ ہر بندہ شکوہ کرتا پھر رہا ہے، کاروبار والا بھی شکوہ کرر ہا ہے اور ملازم بھی شکورہ کرر ہا ہے۔آج کا امیر بھی شکوہ کرر ہا ہے اور غریب بھی شکوہ کرر ہا ہے۔خوف بھی ہر بندے کے دل میں ہے کہ کہیں یہ نہ ہو جائے، وہ نہ ہو جائے، فلاں نے حملہ کر دیا تو کیا بنے گا، یوں لگتا ہے کہ ہماری نعمتوں کی ناقدریوں کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ہمیں بھوک ننگ اور خوف کا لباس پہنا دیا ہے۔اس کا علاج یہ ہے کہ ہم کثرت سے استغفار کریں اور اپنے روٹھے ہوئے رب کو منانے کی کوشش کریں۔

شکوے کی پٹی

رابعہ بصریہؒ ایک مرتبہ کہیں کھڑی تھیں۔ان کے قریب سے ایک نوجوان گزرا۔اس نے اپنے سر پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔انہوں نے پوچھا، بیٹا! کیا ہوا؟ اس نے کہا، اماں! میرے سر میں درد ہے جس کی وجہ سے پٹی باندھی ہوئی ہے، پہلے تو کبھی درد نہیں ہوا۔انہوں نے پوچھا، بیٹا! آپ کی عمر کتنی ہے؟ وہ کہنے لگا، جی میری عمر تیس سال ہے۔یہ سن کر وہ فرمانے لگیں، بیٹا! تیرے سر میں تیس سال تک درد نہیں ہوا تو نے شکر کی پٹی تو کبھی نہ باندھی، تجھے پہلی دفعہ درد ہوا ہے تو تو نے شکوے شکایت کی پٹی فوراً باندھ لی ہے۔ہمارا حال بھی یہی ہے کہ ہم سالہا سال اس کی نعمتیں اور سکون کی زندگی گزارتے ہیں، ہم اس کا تو شکر ادا نہیں کرتے اور جب ذرا سی تکلیف پہنچتی ہے تو فوراً شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

میاں بیوی کے شکوے

میاں اپنی بیوی کو پوری زندگی سکون مہیا کرے اور کبھی ذرا سی تنگی آئے تو وہ کہنے لگتی ہے کہ میں نے تیرے گھر میں آ کر دیکھا ہی کیا ہے۔ آپ جو کچھ کرتے ہیں اپنے بچوں کے لئے کرتے ہیں کونسا میرے لئے کرتے ہیں۔ ایسے ہی ناشکری کے بول بولنا شروع کر دیتی ہے۔ یہی حال خاوندوں کا ہے۔ بیویاں تو گھر میں باندیوں کی طرح رہتی ہیں اور پاکدامن زندگیاں گزارتی ہیں مگر وہ ان کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ بلکہ اگر وہ بات کرنا چاہیں تو وہ ان کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ یہ بھی ناشکری کرنے والے ہیں۔

شکر کرنے والے سائل کی دلجوئی

ایک مرتبہ مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک سائل آیا۔ اس نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں محتاج ہوں اس لئے اللہ کے لئے مجھے کچھ دے دیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک کھجور تھی۔ آپ ﷺ نے وہ کھجور اٹھا کر اس سائل کو دے دی۔ اس سائل نے کھجور تو لے لی مگر اس کو اطمینان نہ ہوا اور وہ مزید کا طلبگار رہا۔ بالآخر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بھیج ہی دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک اور سائل آیا۔ اس نے بھی سوال کیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک کھجور اس کو بھی دے دی۔ وہ کھجور لے کر بہت ہی خوش ہوا کہ مجھے اللہ کے محبوب ﷺ کے ہاتھوں سے کھجور ملی ہے۔ وہ آپ ﷺ کا شکر ادا کرنے لگا اور کہنے لگا کہ آپ کا بڑا احسان ہے کہ آپ نے مجھے یہ کھجور

عطا کردی۔ جب اس نے نعمت کی قدردانی کی تو اللہ کے محبوب ﷺ نے اپنی خادمہ سے کہا کہ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ کیا اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے کچھ موجود ہے؟ وہ گئی اور ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے اس کے ہاتھ چالیس دینار بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے وہ چالیس دینار بھی اس دوسرے سائل کو عطا فرما دیئے۔

شکر کرنے والی بیوی کا مقام

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو مکہ مکرمہ میں چھوڑ گئے۔ اس وقت وہ ایک ایسی وادی تھی جہاں سبزہ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو ان کا نکاح قبیلہ بنو جرہم کی ایک لڑکی سے ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کرنے جاتے تھے اور اس سے جو کچھ ملتا تھا اسی سے گزر بسر ہوتا تھا۔ شکار ایک ہوائی روزی ہوتی ہے لہٰذا کبھی شکار ملتا اور کبھی نہ ملتا۔

ایک مرتبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کو گئے ہوئے تھے کہ پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام ملنے ان کے گھر آئے۔ انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا کہ سناؤ کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگی، بس زندگی گزر رہی ہے۔ کبھی شکار ملتا ہے اور کبھی نہیں ملتا، بہت تنگی کا وقت گزر رہا ہے بہر حال گزارا ہو رہا ہے۔ اس نے اس طرح ناشکری کے الفاظ کہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر فرمایا، اچھا مجھے واپس جانا ہے، جب تمہارے شوہر آئیں تو انہیں میرا سلام دینا اور ان سے کہہ دینا کہ تمہارے گھر کی چوکھٹ اچھی نہیں ہے اسے بدل لینا۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے، وہ عورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات نہ سمجھ سکی۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر واپس آئے تو ان کی بیوی نے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پورا پیغام سنا دیا۔ وہ فرمانے لگے کہ وہ تو میرے والد گرامی تھے۔ میری ان سے ملاقات تو نہیں ہو سکی البتہ وہ مجھے ایک پیغام دے گئے ہیں کہ گھر کی چوکھٹ اچھی نہیں ہے اسے بدل دینا۔ یعنی تمہاری بیوی ناشکری ہے اسے بدل دینا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے کر اسے فارغ کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک اور قبیلہ کی لڑکی کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی۔ اب یہ عورت بڑی صابرہ شاکرہ تھی۔ سال دو سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے۔ اب کی بار بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا، سناؤ کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگی کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے اتنا نیک خاوند عطا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنے اچھے اخلاق والا، اچھے کردار والا، متقی اور پرہیز گار اور محبت کرنے والا خاوند دیا ہے، میں تو اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کھانا پینا کیسا ہے؟ کہنے لگیں، رزق تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، جو ملتا ہے ہم دونوں کھا لیتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کر لیتے ہیں اور اگر نہیں ملتا تو صبر کر لیتے ہیں۔ جب اس نے شکر کی اچھی اچھی باتیں کیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل خوش ہو گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اچھا میں اب چلا ہوں، تم اپنے خاوند کو میری طرف سے سلام دینا اور کہنا کہ تمہارے گھر کی چوکھٹ بڑی اچھی ہے لہٰذا تم اس کی حفاظت کرنا۔ یہ کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس چلے گئے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی نے ان کو پیغام دیا۔ جب حضرت اسماعیل نے پیغام سنا تو وہ بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ وہ میرے والد گرامی تھے اور وہ مجھے پیغام دے گئے ہیں کہ تم ایک اچھی بیوی ہو، مجھے تمہاری قدر کرنی ہے اور تجھے زندگی بھر اپنے ساتھ رکھنا ہے۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وہ بیوی تھیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں اور ان کی نسل اس عورت سے آگے چلی۔

ایک دلچسپ نکتہ

علماء نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کو آگے چلانا تھا اور اس نسل میں سے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہونا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے پسند نہ کیا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں کوئی ناشکری عورت ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ناشکری عورت کو طلاق دلوادی اور شکر کرنے والی عورت گھر میں لائی گئی اور اس سے آگے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرما دیا۔ سبحان اللہ

حج کے موقع پر اظہار تشکر

حضرت سید نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم نے حج کے موقع پر شکر کے بارے میں عجیب اشعار لکھے۔ وہ آپ کو بھی سنا دیتا ہوں۔

شکر ہے تیرا خدایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
تو نے اپنے گھر بلایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
اپنا دیوانہ بنایا ، میں تو اس قابل نہ تھا

گرد کعبے کے پھرایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
مدتوں کی پیاس کو سیراب تو نے کر دیا
جام زم زم کا پلایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
ڈال دی ٹھنڈک مرے سینے میں تو نے ساقیا
اپنے سینے سے لگایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
بھاگیا میری زبان کو ذکر الااللہ کا
یہ سبق کس نے پڑھایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
خاص اپنے در کا رکھا تو نے اے مولا مجھے
یوں نہیں در در پھرایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
میری کوتاہی کہ تیری یاد سے غافل رہا
پر نہیں تو نے بھلایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
میں کہ تھا بے راہ تو نے دستگیری آپ کی
تو ہی مجھ کو در پہ لایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
عہد جو روز ازل میں نے کیا تھا یاد ہے
عہد وہ کس نے نبھایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
تیری رحمت تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب
گنبد خضراء کا سایہ ، میں تو اس قابل نہ تھا
میں نے جو دیکھا سو دیکھا بارگاہ قدس میں
اور جو پایا سو پایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
بارگاہ سید الکونین میں آ کر نفیس
سوچتا ہوں کیسے آیا ، میں تو اس قابل نہ تھا

ہمارے دلوں میں اسباب کی اہمیت

کتنی عجیب بات ہے کہ وہ دکان اور دفتر جس سے انسان کو سبب کے طور پر رزق ملتا ہے۔ وہاں وہ روزانہ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دیتا ہے۔ اے انسان! جس سبب سے تجھ کو رزق ملتا ہے اس سبب پہ محنت کرنے میں روزانہ آٹھ گھنٹے لگاتا ہے اور مسبب الاسباب جہاں سے بغیر سبب کے رزق ملتا ہے اس کے سامنے دامن پھیلانے کی تجھے آٹھ منٹ کی بھی فرصت نہیں ہے۔ کیا کبھی کسی نے آٹھ منٹ تہجد کے وقت اللہ کے سامنے دامن پھیلایا؟ وہاں تو سبب کے بغیر ڈائریکٹ مل رہا ہوتا ہے۔ ارے! واسطے کے ذریعے لینے پر آٹھ گھنٹے اور جہاں سے بلا واسطہ ملتا ہے وہاں آٹھ منٹ بھی نہیں دیتے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم تنہائی میں اللہ رب العزت کے سامنے بیٹھیں اور اپنے سب احوال اسی کے سامنے بیان کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ بندہ ہر چیز اسی سے مانگے اور ہر وقت اسی سے مانگے اور نعمتیں ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شکر الٰہی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ رب العزت سے عرض کیا کہ اے اللہ! کیف اشکرک میں آپ کا شکر کیسے ادا کروں کیونکہ آپ کی ایک ایک نعمت ایسی ہے کہ میں ساری زندگی بھی عبادت میں لگا رہوں تو میں صرف ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا، اور آپ کی تو بے انتہاء نعمتیں ہیں۔ میں ان سب نعمتوں کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں۔ جب انہوں نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس

وقت ان پر وحی نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر آپ کے دل کی یہ آواز ہے کہ آپ ساری زندگی شکرادا کریں تو پھر بھی شکر ادا نہیں کر سکتے تو سن لے کہ الآن شکرتنی اب تو آپ نے میرا شکرادا کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ سبحان اللہ۔

رزق پہنچانے والا ڈاکیا

میرے دوستو! بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے انسان کو رزق کی فراوانی اس لئے بھی زیادہ دی ہوتی ہے کہ وہ رزق اس کا اپنا نہیں ہوتا بلکہ وہ طلباء، غرباء اور اللہ کے دوسرے مستحق بندوں کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لئے دیا ہوتا ہے تاکہ وہ ان تک یہ پہنچا دے۔ مگر جب وہ اللہ کے راستے پر خرچ نہیں کرتا اور ڈاک نہیں پہنچاتا تو اللہ تعالیٰ اس ڈاکیے کو معزول کر دیتے ہیں۔ اور اس کی جگہ کسی اور کو ذریعہ بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو کھلا رزق دیتا ہے جو ان کے اپنے رزق سے زیادہ ہوتا ہے۔ کس لئے؟ اس لئے وہ حق داروں تک صدقہ وخیرات کی شکل میں وہ مال پہنچا دے۔ اور جب وہ مال حق داروں تک نہیں پہنچاتے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس نعمت سے محروم فرما دیتے ہیں اور ان کی جگہ کسی اور کو وہ رزق دے دیتے ہیں جو صحیح صحیح اس کے مستحق بندوں تک پہنچا دیا کرتے ہیں۔

اس لئے جب اللہ تعالیٰ ضرورت سے زیادہ رزق دے تو سمجھیں کہ اس میں صرف میرا ہی حق نہیں ہے بلکہ وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ. لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (المعارج:۲۴،۲۵) کے مصداق اس میں اللہ کے بندوں کا بھی حق ہے۔ یہ بھی اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر ہے۔ رب کریم ہمیں اپنی نعمتوں

کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمادیں اور ہمیں محرومیوں سے محفوظ فرمادیں۔ کفار کے سامنے ذلیل ورسوا ہونے سے محفوظ فرمالیں اور جس طرح پروردگار نے ہمارے سر کو غیر کے سامنے جھکنے سے بچالیا وہ پروردگار ہمارے ہاتھوں کو بھی غیر کے سامنے پھیلنے سے محفوظ فرمالے۔ (آمین ثم آمین)

و اخر دعونا ان الحمدلله رب العلمين

علم کی فضیلت

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی اَمَّا بَعۡدُ!
اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِo بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o
وَالرَّبَّانِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ کِتَابِ اللّٰہِ وَ کَانُوۡا
عَلَیۡہِ شُھَدَآءَ (مائدہ:۴۴)۔ وقال اللہ تعالیٰ فی مقام اخر کُوۡنُوۡا
رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡکِتٰبَ وَبِمَا کُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَo (آل
عمران:۷۹) وقال رسول اللہ ﷺ العلماء ورثة الانبیاء۔
سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ
وَ الۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o

عارضی اور دائمی زندگی

دنیا میں ہر انسان عزت بھری زندگی چاہتا ہے۔عزت دو طرح سے ملتی ہے۔ایک مال سے اور دوسری نیک اعمال سے۔مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو عزت مال سے ملتی ہے وہ مال کی طرح فانی اور عارضی ہوتی ہے۔بقول شخصے:

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

اسی لئے مال کی بنیاد پر عزتیں پانے والے دنیا کے اندر بہت جلدی جوتوں میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ہم نے کئی بار مشاہدہ کیا ہے کہ ایک آدمی آج صدر ہے کل ملک بدر ہے،آج امیر ہے کل فقیر ہے،آج وزیر ہے کل اسیر ہے،آج وزیر اعظم ہے کل کو اسیرِ اعظم ہے۔لہٰذا مال سے ملنے والی عزت

ڈھلتی چھاؤں کی مانند ہے۔ اس کے بالمقابل جو عزت نیک اعمال سے ملتی ہے وہ دائمی ہوتی ہے کیونکہ نیک اعمال باقیات الصالحات میں سے ہوتے ہیں۔ نیک اعمال کے لئے انسان کو علم کی ضرورت ہوتی ہے گویا جو انسان علم حاصل کرتا ہے وہ دنیا اور آخرت کی عزتیں پاتا ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری

اللہ رب العزت نے جب اس کائنات کو سجانا پسند فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا:

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ:۳۰)

(میں زمین میں اپنا ایک نائب بنا رہا ہوں)

فرشتوں نے عرض کیا، پروردگار عالم! آپ ایسے آدمی کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد مچائے گا اور خون بہائے گا۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ہم آپ کے نام کی تسبیح اور تقدیس بیان کرتے ہیں، یعنی جب ہم عبادت کرتے ہیں تو پھر کسی اور کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ فرشتو! میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کو علم عطا کیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا (البقرۃ:۳۱)، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم الاسماء یعنی علم الاشیاء عطا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ وہ کہنے لگے سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ٥ (البقرہ:۳۲) یعنی ہم تو ان چیزوں کے نام نہیں جانتے۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں

نے اسی وقت ان چیزوں کے نام بتا دیئے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کا انعام

سیدنا آدم علیہ السلام اس امتحان میں پاس ہو گئے۔ یہ دستور ہے کہ جب بھی کوئی امتحان میں پاس ہوتا ہے تو اسے انعام ملا کرتا ہے۔ بلکہ دنیا والے کوشش کرتے ہیں کہ ایسا انعام دیا جائے جو کہ مدتوں یاد رہے۔ وہ اس مقصد کے لئے سرٹیفکیٹ اور شیلڈ بنا کر دیتے ہیں۔ تا کہ وہ طالبعلم انہیں یادگار کے طور پر اپنے گھر میں لگائے اور پھر پوری زندگی یاد رکھے کہ میں نے نمایاں کامیابی حاصل کیا تھی۔ پروردگار عالم نے بھی سیدنا آدم علیہ السلام کو امتحان میں پاس ہونے پر جو انعام دیا اسے رہتی دنیا یاد کرے گی۔ وہ انعام یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو "مسجود الملائکہ" بنا دیا۔ اتنا بڑا انعام!!! یہ حق تو اللہ رب العزت کا تھا مگر مالک کو اختیار ہے۔ چنانچہ فرشتوں کو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔

سجدہ کرنے میں حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پہل

حدیث پاک میں آیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے اس کے بعد دوسرے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ لیکن شیطان مردود نے انکار کیا اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ:۳۴) اس نے تکبر کیا اور کافر بن گیا۔

دو اہم باتیں

یہاں پر دو باتیں سمجھنے کے قابل ہیں۔ چونکہ روایات میں آتا ہے کہ

حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سب سے پہلے سجدہ کیا اس لئے ان کو یہ اعزاز ملا کہ اللہ رب العزت نے ان کی پیشانی پر پورے قرآن مجید کو لکھوا دیا۔ اسی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ علم ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ عالم کو تو عزتیں ملتی ہی ہیں جو شخص کسی عالم کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بھی انعام کا مستحق بن جاتا ہے۔ ایک انعام حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی وجہ سے ملا تھا جو کہ بہت بڑا انعام تھا۔ اور جنہوں نے عالم (حضرت آدم علیہ السلام) کا اکرام کرتے ہوئے سب سے پہلے سجدہ کیا اللہ رب العزت نے ان کو بھی انعام سے نواز دیا۔ اور جس نے عالم کا اکرام نہ کیا وہ عزازیل تھا۔ اس نے دنیا کے چپے چپے پر سجدہ کیا۔ اس کی زندگی اتنی عبادت سے بھری ہوئی تھی مگر اس نے ایک عالم (حضرت آدم علیہ السلام) کی بے ادبی کی اور مقابلہ پر آ گیا اور کہنے لگا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (الاعراف:۱۲) میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ میں آگ سے بنا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ رب العزت نے اسے پھٹکار دیا اور وہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ بن گیا۔ فرمایا اِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (ص:۷۸) بے شک تمہارے اوپر قیامت تک میری لعنت برستی رہے گی۔

علم کا مقام

اللہ رب العزت کے ہاں علم کا بڑا مقام ہے۔ کہاں آدم علیہ السلام جو مٹی سے بنے اور کہاں فرشتے جو نور سے بنے۔ اور نور سے بننے والی بھی وہ مخلوق جو ہر وقت اللہ رب العزت کی عبادت میں مشغول ہے۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ. یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ۔ اللہ کے

پاس جو بھی فوق العرش مخلوق ہے وہ ہر وقت اللہ رب العزت کی تسبیح بیان کر رہی ہے، ان کے ہاں افطار نہیں ہے۔ سبحان اللہ، کہاں یہ خاک اور کہاں وہ عالمِ پاک۔ مگر علم ایک ایسی نعمت تھی جس نے اس خاک کو اس عالم پاک کا بھی مسجود بنا دیا۔ دستور یہ ہے کہ اندھیری رات میں جگنو کی روشنی بھی اچھی لگتی ہے۔ علم کتنی لاجواب نعمت ہے کہ تھوڑی سی بھی ہو تو پلہ بھاری رہتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ حضرت آدمؑ کو علم الاسماء یعنی علم الاشیاء حاصل ہوئے پھر یہ انعام ملا تو پھر جس انسان کو اسماء الحسنٰی کی معرفت نصیب ہوگی اسے قیامت کے دن کیا انعام ملے گا۔ اللہ اکبر کبیراً

سیدنا آدم علیہ السلام اور صنعت وحرفت کا علم

یہ کائنات زمین سے لے کر آسمان تک یعنی فرش سے لیکر عرش تک علم الٰہی کا مدرسہ ہے۔ اس مدرسہ کے سب سے پہلے معلم سیدنا آدم علیہ السلام تھے۔ روایات میں آیا ہے کہ وہ اس دنیا میں زراعت اور صنعت وحرفت کا علم لے کر آئے۔ حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو زراعت اور صنعت وحرفت کا علم سکھایا اور معلم اول بنے۔

سیدنا ادریس علیہ السلام اور کتابت کا علم

ان کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام آئے۔ احادیث میں آیا ہے کہ انہوں نے دنیا میں علم کو قلم کے ذریعہ پھیلایا۔ **علم بالقلم** انہوں نے اس کی سب سے پہلے خدمت کی۔ ان سے پہلے علم زبانی کلامی تو دوسروں تک پہنچتا تھا لیکن قلم سے مدد نہیں لی جاتی تھی۔ لہٰذا کلام کو ضبط تحریر میں لانے کا علم سب سے پہلے دنیا میں حضرت ادریس علیہ السلام لائے۔ انہوں نے عبرانی اور سریانی زبان اور بعض

روایات میں آیا ہے کہ عربی زبان کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے حروف بنے، پھر الفاظ اور پھر پتھروں پر لکھنا شروع کیا گیا۔

سیدنا نوح علیہ السلام اور حلال وحرام کا علم

ان کے بعد سیدنا نوح علیہ السلام تشریف لائے۔ اللہ رب العزت نے ان کو لکڑی سے چیزیں بنانے کا علم دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کشتی بنائی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال اور حرام کا علم دے کے بھیجا۔ دنیا میں سب سے پہلے حلال وحرام کا علم حضرت نوح علیہ السلام لے کر آئے۔ گویا وہاں سے حلال وحرام کی ابتدا ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (النساء: ۱۶۳) اس آیت میں سیدنا نوح علیہ السلام کا نام خاص طور پر آیا ہے۔

لباسِ شریعت کی تکمیل

گویا شریعت کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام سے ہوئی۔ اس کی مثال یوں سمجھیئے کہ جیسے چھوٹا بچہ پیدا ہوتا ہے تو پہلے دن ہی اس کو لباس نہیں پہنا دیتے کیونکہ چھوٹا سا ہوتا ہے۔ بس ایک کپڑا سا باندھ دیتے ہیں تا کہ گندگی نہ پھیلے۔ شروع میں اس کا جسم ایسے ہی بغیر لباس کے رہتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا ایک چھوٹا سا لباس بنایا جاتا ہے۔ جیسے اس کی عمر بڑھتی رہتی ہے ویسے ہی اس کا لباس بھی نیا بنانا پڑتا ہے۔ قد بڑھنے کے ساتھ ساتھ لباس کا سائز بھی بڑھتا رہتا ہے۔ عموماً تیں پینتیس سال کی عمر میں انسان کا جسم اتنی قد وقامت اختیار کر لیتا ہے کہ اس کے بعد اس کا لباس پوری عمر کیلیئے اسی سائز کا چلتا رہتا ہے۔

یہی انسانیت کی مثال ہے کہ شروع میں انسان کو کسی چیز کا پتہ ہی نہیں تھا اس لئے اسے زراعت کا علم دیا، صنعت وحرفت کا علم دیا اور علم کو قلم کے ذریعے ضبط کرنے کا علم دیا اس کے بعد ایک وقت آیا کہ جب اسے حلال وحرام کا علم دیا۔ گویا یہ سب سے پہلا لباس شریعت تھا جو انسانیت پہن رہی تھی۔ پھر انبیاء تشریف لاتے رہے تو اس لباس شریعت کا سائز بڑھتا گیا، شریعت اور زیادہ کامل ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے تو انسانیت اپنی جوانی تک پہنچ چکی تھی۔ اس لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام شریعت کا ایک ایسا لباس لائے کہ قیامت تک اس کا سائز بدلنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا دین اسلام قیامت تک آنے والی انسانیت کیلئے کافی وافی اور شافی ہے۔

انبیائے کرام اور تخصیصِ علوم

دنیا میں انبیائے کرام مختلف علوم وفنون لائے۔ یوں سمجھئے کہ جیسے ایک ہی سکول میں مختلف مضامین کے استاد ہوتے ہیں۔ انہوں نے علم تو سارا پڑھا ہوتا ہے مگر کسی ایک مضمون میں تخصص کیا ہوتا ہے۔ کوئی ریاضی کا اسپیشلسٹ ہوتا ہے، کوئی انگریزی کا، کوئی اسلامیات کا، کوئی سائنس اور کوئی اردو کا ہوتا ہے۔ اسی طرح مختلف انبیائے کرام شریعت کا علم تو لائے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی نہ کسی ایک علم میں تخصیص عطا فرمادی۔

سیدنا حضرت ابراھیم علیہ السلام اور علم مناظرہ

حضرت ابراھیم علیہ السلام دنیا میں علم مناظرہ لے کر آئے۔ مناظر کے لئے تین باتیں بڑی اہم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں غور وفکر کرنے کی عادت ہو،

دوسری یہ کہ اس کا اپنا دل مطمئن ہو اور تیسری یہ کہ جب مخالف کوئی بات کرے تو ایسا مسکت جواب دے کہ اس کی زبان بند ہو جائے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں تینوں خوبیاں تھیں۔ ان کے اندر غور وفکر کی اتنی عادت تھی کہ جب ستاروں کو دیکھا تو کہنے لگے، ھٰذَا رَبِّیْ کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب دیکھا کہ وہ غروب ہو گئے تو فرمانے لگے کہ غروب ہونے والا تو پروردگار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ رب نہیں ہے۔ اس کے بعد چاند طلوع ہوا اسے دیکھ کر فرمانے لگے ھٰذَا رَبِّیْ کہ یہ میرا رب ہے۔ جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا، یہ بھی پروردگار نہیں ہے۔ پھر سورج پر نظر پڑی تو فرمانے لگے ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَآ اَکْبَرُ کہ یہ میرا رب ہے کیونکہ یہ بڑا ہے۔ فَلَمَّآ اَفَلَتْ جب وہ بھی غروب ہوا تو فرمانے لگے کہ میں غروب ہونے والے کو پروردگار نہیں مانتا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (الانعام:۷۹) میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا جو زمین و آسمان کو پیدا کرنے والی ہے۔

مناظر کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر چیز میں غور وفکر کر کے اطمینانِ قلب حاصل کر لیتا ہے۔ اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ نعمت بھی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے پوچھا، اے اللہ! کَیْفَ تُحْیِی الْمَوْتٰی آپ مردے کو کیسے زندہ فرمائیں گے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا، اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کیا آپ اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کیا، اے پروردگار! اس بات پر میرا پکا ایمان ہے۔ وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ میں تو صرف دل کے اطمینان کے لئے پوچھ رہا ہوں، چنانچہ اللہ رب العزت نے چند مردہ پرندوں کو زندہ کر کے دکھا دیا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اطمینان آ گیا تو اکیلے ہونے کے باوجود نمرود کے دربار میں مناظرہ کرتے ہیں اور اسے چپ کرا دیتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بلایا اور پوچھا کہ تم مجھے خدا کیوں نہیں مانتے ؟ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، میرا خدا تو وہ ہے جو زندوں کو مار دیتا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے۔ نمرود تو بہت ہی کم عقل انسان تھا، اگر عقل تھی بھی سہی تو اس نے سنبھال کے رکھی ہوئی تھی استعمال نہیں کرتا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کام تو میں بھی کر لیتا ہوں۔ چنانچہ ایک بے گناہ آدمی کو بلا کر اس نے قتل کروا دیا اور ایک گنہگار کو بلا کر اسے معاف کر دیا، اور کہنے لگا، یہ زندہ اور مردہ کرنے والا کام تو میں نے بھی کر دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ گھی ٹیڑھی انگلی سے نکالنا پڑے گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا، اچھا اِنَّ اللّٰهَ يَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ میرا پروردگار وہ ہے جو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، اگر تیرا کچھ اختیار ہے تو سورج کو مغرب کی طرف سے طلوع کر کے دکھا، یہ سن کر نمرود بالکل ہی مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس کے پاس کوئی جواب بھی نہ تھا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام اور خوابوں کی تعبیر کا علم

سیدنا یوسف علیہ السلام اس دنیا میں علم تعبیر الرؤیا لے کر آئے۔ جسے خوابوں کی تعبیر کا علم کہتے ہیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں تھے اس وقت آپ نے دو آدمیوں کے خوابوں کی تعبیر بتائی۔ تعبیر کے مطابق ان میں سے ایک قتل ہو گیا اور دوسرے کو معافی مل گئی۔

ایک دفعہ بادشاہ نے خواب دیکھا۔ اسے اس خواب کی تعبیر بتانے والا کوئی شخص نظر نہ آیا۔ ایک آدمی نے بادشاہ سے کہا، بادشاہ سلامت! جیل میں ایک آدمی ہے میں اس سے اس خواب کی تعبیر پوچھتا ہوں۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی ایسی تعبیر بتائی جو بادشاہ کے دل کو بھا گئی۔ حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آیا کہ بادشاہ نے اپنا تخت و تاج حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔

ایک اہم نکتہ

یہاں پر ایک نکتہ غور طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو دو چیزوں میں امتیاز عطا کیا تھا۔ ایک حسن میں اور دوسرا علم التعبیر میں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے بھائی یوسف صبیح تھے۔ اتنے خوبصورت اور گورے چٹے تھے کہ زنانِ مصر دیکھ کر کہنے لگیں مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (یوسف:۳۱) کہ یہ کوئی انسان نہیں ہے بلکہ یہ تو کوئی مکرم فرشتہ ہے۔ جو دیکھتا تھا دل دے بیٹھتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو علم عطا کیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا (یوسف:۲۲) جب وہ بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو علم عطا کیا۔ اس میں کونسا علم خصوصیت کے ساتھ تھا؟ قرآن مجید میں ہے تاویل الاحادیث خوابوں کی تعبیر کا علم تھا۔

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب ان کو بھائیوں نے کنویں میں ڈالا اور وہ نکالے گئے تو نکالنے والوں نے ان کو بیچا۔ اس وقت ان کے پاس ان دو نعمتوں

میں سے ایک نعمت تھی ۔حسن و جمال والی نعمت ۔ان کو حسن و جمال ماں کے پیٹ سے ملا تھا اور جب اٹھتی جوانی ہوتو پھر تو حسن اور بھی دلکش ہوتا ہے ۔ان کے پاس حسن کی انتہاء تھی ۔اس وقت ان کو بیچا گیا۔ان کی قیمت بھلا کتنی لگی؟ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب یوں دیا۔ وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ (یوسف: ۲۰) چند کھوٹے سکے۔معلوم ہوا کہ جب حسن علم سے علیحدہ ہوتا ہے تو اپنی قدر کھودیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں نمٹ حسن کی کوئی قیمت نہیں۔ حسن والوں کے لئے کتنی عبرت کی بات ہے کہ حسنِ یوسف کی قیمت دو تین کھوٹے سکے لگ رہی تھی ۔حسن کی پوجا کرنے والے چند کھوٹے سکے کی متاع کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو علم عطا فرما دیا تو ان پر امتحان آیا۔ بالآخر اللہ رب العزت نے ان کو اس آزمائش میں کامیاب فرما دیا۔جیل میں بھی گئے اور بالآخر ایک وہ وقت بھی آیا جب ان کو جیل سے نکالا گیا اور پوچھا گیا کہ اب قحط آئے گا تو آپ ہی بتائیں کہ ہم اس آزمائش کا سامنا کیسے کریں۔فرمایا اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ (یوسف: ۵۵) مجھے آپ فنانس منسٹر یعنی خزانوں کا والی بنا دیں۔ چنانچہ ان کو فنانس منسٹر بنا دیا گیا۔اب دیکھیں کہ اللہ رب العزت علم کے ذریعے عزت دے رہے ہیں۔عزت بھی کیا ملی کہ تخت پر بیٹھ کر خزانے تقسیم کر رہے ہیں۔

ایک وہ وقت بھی آیا جب بھائی غلہ لینے کے لئے آئے ۔حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک حیلے سے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر دوبارہ بھائی آئے تو کہنے لگے، یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اے عزیز مصر! مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ

ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو تنگدستی نے بے حال کر دیا ہے۔ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ ہم ایسی قیمت لائے ہیں جو پوری بھی نہیں۔ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ آپ ہمیں غلہ پورا دے دیں۔ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا۔ اور ہم پر صدقہ وخیرات کر دیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ میں بھی نبی علیہ السلام کا بیٹا ہوں اور یہ بھی نبی کے بیٹے ہیں اور یہ میرے سامنے کھڑے بھیک مانگ رہے ہیں تو اس وقت انہوں نے ان سے پوچھا مَا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ تم نے یوسف کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ یہ سن کر ان کی آنکھیں کھل گئیں اور پوچھنے لگے، ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ کیا آپ یوسف (علیہ السلام) ہیں؟ انہوں نے فرمایا اَنَا يُوْسُفُ ہاں میں یوسف ہوں وَ هٰذَا اَخِىْ اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمادیا۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (یوسف: ۹۰) کہ جو انسان اپنے اندر تقویٰ اور صبر وضبط کو پیدا کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتے۔ ہر دور اور ہر زمانے میں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح نفس کا پجاری بنے گا اللہ تعالیٰ اسے فرش پر کھڑا کریں گے اور جو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح تقویٰ والی زندگی گزارے گا اللہ تعالیٰ اسے عرش (تخت) پر بٹھائیں گے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام اور زرہ بنانے کا علم

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے لوہے سے زرہ بنانے کا علم عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ (سباء: ۱۰) کہ ہم نے ان کے

لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ وہ لوہے کی کڑیاں بناتے تھے۔ پھر ان کو جوڑ کر زرہ بناتے تھے جو اس دور میں جنگ میں کام آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ خاص علم دیا تھا جس کا تذکرہ اللہ رب العزت نے قرآن میں یوں فرمایا وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (الانبیاء: ۸۰) کہ ہم نے ان کو لباس (زرہ) بنانے کا علم دیا۔ اس علم کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان کو شاہی عطا فرمائی۔ حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے والد تو بادشاہ نہیں تھے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام اور پرندوں سے ہمکلام ہونے کا علم

ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ بنے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام بھی تھے اور وقت کے بادشاہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی شاہی دی جو دنیا میں نہ کسی کو پہلے ملی اور نہ بعد میں ملے گی۔ ان کی شاہی انسانوں پر بھی، جنوں پر بھی، پرندوں پر بھی، مچھلیوں پر بھی، اور ہوا پر بھی تھی۔ ان کو بھی ایک خاص علم دیا گیا تھا۔ انہوں نے لوگوں کو فرمایا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (النمل: ١٦) اے انسانو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں پرندوں کے ساتھ ہمکلام ہونے کا علم عطا فرمایا ہے۔

ایک دفعہ انہوں نے اپنے لشکر میں دیکھا کہ ہدہد نہیں تھا۔ یہ ہدہد پرندہ اپنی چونچ سے زمین میں سوراخ کر کے بتاتا تھا کہ وہاں پانی سطح زمین سے قریب ہے یا نہیں۔ جب انہوں نے اسے غیر حاضر پایا تو فرمایا کہ یا تو یہ کوئی معقول وجہ بتائے یا پھر اسے سزا ملے گی۔ اتنے میں ہدہد آ گیا۔ اس نے آ کر کہا کہ جی میں آپ کے پاس قوم سبا کی ایک شہزادی کی خبر لے کر آیا ہوں۔ وہ سورج کی پرستش کرتی ہے۔

ہدہد پرندے میں علم کی وجہ سے جرأت

اب یہاں پر ذرا غور کیا جائے کہ کہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان اور کہاں چھوٹا سے ہدہد پرندہ۔ چونکہ اس کے پاس علم تھا اس لئے وہ بڑھ بڑھ کر بول رہا تھا۔ اس نے کہا اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ (النمل:۲۲) میں وہ جانتا ہوں جو آپ نہیں جانتے اور میں قوم سبا کی ایک ٹھوس خبر لایا ہوں۔ اس پرندے کی کیا اوقات تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے بولے۔ مگر علم اس کو جرأت دے رہا تھا۔ چنانچہ اس کی خبر پر خطوط بھیجے گئے۔ بالآخر وہ وقت آیا کہ ملکہ بلقیس خود آنے لگی۔

آصف بن برخیا کا مقام

جب ملکہ بلقیس آ رہی تھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جی چاہا کہ میں اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت منگوالوں۔ چنانچہ جب دربار لگا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ (النمل: ۳۸) کہ تم میں سے کون ہے جو اس کا تخت اس کے پہنچنے سے پہلے میرے پاس لاکر حاضر کر دے؟ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ جنوں میں سے عفریت نامی ایک جن تھا، وہ کھڑا ہوا اور اس نے کہا، اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ (النمل:۳۹) میں وہ تخت آپ کی محفل برخاست ہونے سے پہلے آپ کے پاس پہنچا دیتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یوں تو بہت دیر ہو جائے گی، مجھے تو پہلے چاہئے۔ اس بات پر جن بھی چپ ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ کیا کوئی اور ہے جو یہ کام کر کے دکھائے۔

بالآخر ان کی محفل سے آصف بن برخیا نامی ایک آدمی کھڑا ہوا۔ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ علم کی شاہی دیکھئے، علم کی طاقت دیکھئے۔ وہ کہنے لگا اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے وہ تخت آپ کے پاس پہنچا دیتا ہوں۔ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ (النمل:۴۰) حضرت سلیمان علیہ السلام نے پلک جھپک کر دیکھا تو تخت موجود تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔ اس سے علم کی طاقت کا اندازہ کیجئے کہ جو کام جن بھی نہ کر سکے وہ ایک عالم نے کر دکھایا۔

حضرت خضر علیہ السلام اور امور تکوینیہ کا علم

علم میں اتنی عظمت ہے کہ ایک غیر نبی کو ایک نبی علیہ السلام کا استاد بننے کا شرف نصیب ہوتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ نبی تو نہیں تھے البتہ بڑے اولیاء میں سے تھے۔ ان کی نبوت میں اختلاف ہے مگر ان کی ولایت پر اتفاق ہے۔ وہ غیر نبی تھے مگر ان کے پاس ایک علم تھا۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف:۶۵) ان کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا کر دیا تھا۔ جو کہ تکوینی امور کے بارے میں تھا۔ ایک شریعت کا علم ہوتا ہے اور دوسرا تکوینی علم ہوتا ہے۔ تکوینی علم حاصل کرنا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے۔ یہ علم کائنات کا نظام چلنے سے متعلق ہے۔ ہمیں تو صرف شریعت کا علم حاصل کرنا ہے۔ انبیائے کرام شریعت کا علم لاتے رہے لیکن حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تکوینی علم تھا۔ ایک ایسا وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت

موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو بھیجا کہ آپ ذرا جا کر ان سے ملئے۔ یہاں یہ نکتہ غور طلب ہے کہ ایک نبی علیہ السلام ایک غیر نبی کے پاس علم پانے کے لئے تشریف لے گئے۔

عبادات کی تکمیل

پہلی شریعتوں میں عبادات جزوی طور پر تھیں جب کہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ عبادات کامل ہوگئیں۔ مثلاً نماز پہلے بھی پڑھتے تھے مگر مکمل نماز نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مکمل نماز دے دی۔ روزے وہ بھی رکھتے تھے مگر مکمل نہ تھے۔ اس امت کو مکمل روزے مل گئے۔ ایک مثال ذرا وضاحت سے سنئے کہ توحید کے قائل تو وہ بھی تھے لیکن ان میں تعظیمی سجدہ جائز تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ماں باپ نے تعظیمی سجدہ کیا۔ اس امت کو بھی توحید کا سبق ملا لیکن اس کی تکمیل ہوگئی۔ یعنی وہ تمام چیزیں جن میں توحید کے خلاف کسی بات کا شک ہو سکتا تھا شریعت نے اس کو بھی بند کر دیا۔ مثلاً تصویر بنانا حرام قرار دے دیا تا کہ بت نہ بنائے جاسکیں اور تعظیمی سجدہ حرام کر دیا گیا تا کہ غیر کی عبادت نہ ہو سکے۔ گویا ہر وہ چیز جو توحید کے خلاف ہو سکتی تھی شریعت نے ان کی مبادیات کو بھی بند کر دیا۔ یہ ہے تکمیل جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدۃ:۳) (آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی)

عالم کا مقام

میرے دوستو! اس دنیا میں علم کی شاہی ہے۔ بلکہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ

اس دنیا میں علم کا راج ہے جب کہ علم پر میرے پروردگار کا راج ہے۔ **و فوق کل ذی علم علیم** چونکہ دنیا میں علم کا راج ہے اس لئے انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزتیں بخشیں۔ یہ سلسلہء نبوت تو نبی علیہ السلام پر آ کر مکمل ہو گیا مگر چونکہ یہ نعمت قیامت تک جاری وساری رہنی ہے اس لئے جو لوگ اس علم کو حاصل کریں گے اور آگے دوسروں تک پہنچائیں گے وہ علماء نبی علیہ السلام کے وارث کہلائیں گے۔ کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ **العلماء ورثة الانبیاء** انہوں نے وہی کام کرنا ہے جو نبی علیہ السلام نے دنیا میں آ کر کیا۔ اس نسبت کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان کی شان بڑھا دی۔ کام بھی بڑا اور مقام بھی بڑا۔ مقام اتنا بڑا بخشا کہ **فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** ہزار عبادت گزار ہوں تو بھی ایک عالم ان سے زیادہ بھاری ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہزار عابد لوگوں کی بات ہو رہی ہے۔ آخر وہ بھی عبادت گزار تو ہیں ناں، فاسق و فاجر تو نہیں ہیں۔ ہزار عبادت گزار ایک طرف اور ایک عالم ایک طرف۔ یہ بات بندے کو تھوڑی دیر کے لئے حیران کرتی ہے کہ یہ کیا معاملہ ہے مگر سمجھنی آسان ہے۔

غور کیجئے کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ رب العزت شہنشاہ حقیقی ہیں۔ لہٰذا جس میں علم والی صفت آ گئی اس میں شاہوں والی صفت آ گئی۔ اور عبادت غلاموں کا کام ہوتا ہے۔ اگر غلاموں کی تعداد ایک ہزار بھی ہو تو کیا وہ ایک بادشاہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنکم** عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ شخص پر

ہے۔

علمائے کرام کا فرض منصبی

علمائے کرام کا فرض منصبی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ ربانیون یعنی رب والے، جنہیں ہم اللہ والے کہتے ہیں۔ احبار، حبر کی جمع ہے جس کا مطلب ہے علماء۔ ان دونوں کا فرض منصبی کیا ہے؟ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰهِ (المائدہ:۴۴) ان کا کام کتاب اللہ کی حفاظت کرنا ہے۔ گویا علماء اور صلحاء نے قرآن مجید کی ہر ہر آیت پر ڈیرے ڈالنے ہیں اور ان کو محفوظ کرنا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ اس کے پیغام کو دنیا کے ہر ہر بندے تک پہنچانا ہے اور کسی شریر کو اس میں اپنی مرضی شامل نہیں کرنے دینی۔ اس لئے علمائے کرام ہر اس بندے کے شر کو واضح کر دیتے ہیں جو تفسیر اور احادیث میں اپنی رائے کو شامل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ حق کو باطل سے واضح کر دیتے ہیں۔ علماء اور صلحاء کو پوری زندگی اس میں گزرنی چاہئے۔ لیکن اس کام میں تب آسانی ہوگی جب اخلاص کے ساتھ کام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں۔ فرمایا کونوا ربنیین یہ امر کا صیغہ ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ علماء کو فرمارہے ہیں کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ کیوں؟ اس لئے کہ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (آل عمران:۷۹) تم کتاب (قرآن مجید) پڑھاتے ہو اور تم تدریس کا یہ کام کرتے ہو، اس لئے تمہیں چاہئے کہ تم اللہ والے بھی بن جاؤ۔

علم کا مقصود

علمائے کرام جب بھی اخلاص کے ساتھ دین کا کام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان پر وہی برکتیں نازل فرمائیں گے جو انبیائے کرام کی زندگیوں میں نازل ہوا کرتی تھیں۔ علم کا مقصود اخلاص ہے اور اخلاص کے بغیر کام نہیں چلتا۔ دین کا کام خلوص سے چلتا ہے فلوس (پیسے) سے نہیں چلتا۔

اخلاص کا تاج محل

اکابرین علمائے دیوبند اللہ رب العزت کے چند مخلص لوگوں کی ایک جماعت کا نام ہے۔ ان کے دل میں دین کا درد تھا۔ انہوں نے ایسا کام کیا کہ ان کا فیض اس وقت پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔

محترم جماعت! اللہ رب العزت کی رحمت اور اس کی مہربانی سے اس عاجز کو دین کی نسبت سے دنیا کے چالیس سے زیادہ ملکوں میں سفر کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ امریکہ بھی دیکھا، افریقہ بھی دیکھا، ملائشیا کے جنگلات بھی دیکھے اور رشیا میں سائبیریا کا علاقہ بھی دیکھا، وہ جگہیں بھی دیکھیں جہاں پر چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے، اور وہ جگہ بھی دیکھی جس کو End of the world (دنیا کا آخری کنارہ) کہا جاتا ہے۔ وہاں پر حکومت نے لکھ کر لگایا ہوا ہے کہ یہ دنیا کا آخری کنارہ ہے۔ وہ اس طرح کہ سال میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہاں سمندر کے کنارے پر دنیا کے لاکھوں ٹورسٹ (سیاح) موجود ہوتے ہیں۔ وہاں سورج غروب ہونے کے لئے آتا ہے تو غروب ہوتے ہوتے غروب نہیں ہوتا بلکہ پھر طلوع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لاکھوں سیاح یہ

نظارہ وہاں پر دیکھتے ہیں اس لئے اس جگہ کو دنیا کا آخری کنارہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو اس جگہ پر بھی پہنچنے کی سعادت عطا فرمائی لیکن ایک بات عرض کرتا ہوں کہ یہ عاجز جہاں بھی گیا، مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، پہاڑ تھے یا میدان، جنگل تھے یا صحرا، جہاں بھی گیا اس عاجز نے علمائے دیوبند کا کوئی نہ کوئی روحانی فرزند وہاں دین کا کام کرتے دیکھا۔

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل
کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

فیض کے چلنے کی ایک اہم شرط

دین کا کام ہو ہی تب سکتا ہے جب دل میں خلوص ہو۔ فلوس کی نیت سے کریں گے تو فیض نہیں چلے گا۔ اللہ کی رضا کے لئے کریں گے تو اللہ تعالیٰ فیض چلا دیں گے۔ فیض کا چلنا برکت کا دوسرا نام ہے۔ ہر بندے کا فیض بھی نہیں چلتا۔ صرف اسی کا فیض چلتا ہے جس کی اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت ہو جاتی ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کا فیض

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اکابرین علمائے دیوبند کے ایک فرد فرید

تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو دین کا درد دیا تھا۔ انہوں نے دین کا کام کیا اور اس کے لئے قربانیاں دیں۔ اللہ رب العزت نے ان قربانیوں کی وجہ سے ان کو ایسے شاگرد دیئے جنہوں نے آگے دین کا خوب کام کیا۔ آپ شیخ الہندؒ کا کوئی بھی ایسا شاگرد نہیں دکھا سکتے جس نے اپنی زندگی میں دین کا کام نہ کیا ہو۔ ان کے شاگردوں میں سے حضرت سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، اور حضرت محمد اشرف علی تھانویؒ زیادہ مشہور ہوئے۔ شیخ الہندؒ کے شاگردوں میں سے ایک غیر معروف شخصیت کا تذکرہ آج آپ کے سامنے کرتا ہوں۔ تاکہ آپ کو کچھ نئی باتیں معلوم ہوں۔

حضرت مولانا غلام رسول پونٹویؒ کا مقام

ملتان سے آگے شجاع آباد کے علاقہ میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ جن کا نام حضرت مولانا غلام رسول پونٹویؒ تھا۔ پونٹہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے وہ اس گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے شیخ الہندؒ سے دورۂ حدیث کیا۔ ان کو شیخ الہندؒ سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ حضرت جس راستے سے دارالحدیث میں آیا کرتے تھے یہ رات کو چھپ کر اس راستے کو اپنے عمامہ کے ساتھ جھاڑو کیا کرتے تھے۔ وہ اس لئے چھپتے تھے تاکہ دوسرے طلباء ان کو دیکھ نہ لیں۔

ایک مرتبہ شیخ الہندؒ نے ان کو عمامے سے جھاڑو دیتے ہوئے دیکھ لیا۔ انہوں نے پوچھا، غلام رسول! یہ کیا کر رہے ہو؟ بالآخر بتانا پڑا۔ شیخ الہندؒ نے خوش ہو کر ان کو دعا دے دی۔ بس استاد کی دعا شاگرد کے کام آ گئی۔

ایک ہوتا ہے دعائیں کروانا اور ایک ہوتا ہے دعائیں لینا۔ ان دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ دعائیں کروانا تو یہ ہوا کہ بیٹا کہے، امی! میرے لئے دعا کر

دیں، ابو! میرے لئے دعا کردیں، حضرت! میرے لئے دعا کردیں۔ اور دعا لینا یہ ہوتا ہے کہ انسان اتنا نیک اور مؤدب بنے کہ اس کی نیکی کو دیکھ کر اس کے بڑوں کے دل سے دعائیں نکل رہی ہوں۔ آج کے دور میں دعائیں کروانے والے بڑے ہوتے ہیں مگر دعائیں لینے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ تین صحابہ کرامؓ تھے۔ تینوں کی اٹھتی جوانیاں تھیں اور تینوں کا نام عبداللہ تھا۔ یہ ایسے عباداللہ تھے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں علم حاصل کرنے کے لئے اور آپ کی خدمت کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے شوق اور جذبے کو دیکھ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل اتنا خوش ہوتا کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں ان کا نام لے لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں فرماتے تھے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کی دعائیں ایسی قبول ہوئیں کہ ان تینوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر امتیازی شان عطا کی۔ ان میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام الفقہاء بنے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ امام المفسرین بنے اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ امام المحدثین بنے۔

حضرت مولانا غلام رسول پونٹویؒ نے بھی شیخ الہندؒ سے دعا لی اور ان کا فیض چلا۔ شجاع آباد سے تیس کلومیٹر کے فاصلے پر ان کا گاؤں پونٹہ تھا۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''شرح مائۃ عامل پونٹوی'' ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ علماء کی نظر سے وہ کتاب گزری ہو۔ طلباء شجاع آباد شہر میں بس سے اترتے اور تیس کلومیٹر پیدل چل کر اپنا بستر اور سامان اپنے سروں پر رکھ کر پونٹہ جایا کرتے تھے۔ ان کے پاس تقریباً ساڑھے تین سو شاگرد ہوتے تھے۔ ان کا بھی

خوب فیض پھیلا۔

ان کے دو شاگردوں کا نام عبداللہ تھا۔ایک عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حافظ الحدیث تھے اور دوسرے حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو شجاع آباد کے شیخ تھے۔ وہ ہزاروں علماء کے شیخ تھے۔ان کا درس قرآن بہت معروف تھا۔

حضرت مولانا غلام رسول پونٹویؒ ایک مرتبہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے۔ اس وقت پاکستان کے بڑے بڑے علماء موجود تھے۔ اس وقت حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے ان کو شمس النحاۃ کے لقب سے پکارا۔ اتنے علماء کی محفل میں جن کو شمس النحاۃ کہا جائے ان کے علم کا کیا عالم ہوگا۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر پوری دنیا سے شرح جامی کو ضبط کر لیا جائے اور کوئی بندہ میرے پاس آ کر کہے کہ حضرت! مجھے شرح جامی کی ضرورت ہے تو میں شرح جامی کو متن اور اس کے حاشیہ کے ساتھ دوبارہ لکھوا سکتا ہوں۔

حضرت خواجہ عبداللہ بہلویؒ کا فیضان صحبت

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ عبداللہ بہلویؒ کا فیض علماء میں بہت زیادہ جاری فرمایا۔ وہ رمضان المبارک میں دورۂ تفسیر کروایا کرتے تھے۔ تین تین سو علماء ان کے پاس رہ کر تربیت پاتے تھے اور دورۂ تفسیر کیا کرتے تھے۔ ان کے فیض صحبت کا یہ عالم تھا کہ ایک عالم ان سے بیعت تھے وہ خود کہنے لگے کہ میں حضرت کو ملنے کے لئے گیا۔ میں نے تھوڑی دیر کے بعد اجازت مانگی۔ حضرت فرمانے لگے کہ اگرچہ آپ درس تدریس میں مشغول ہیں، پھر بھی کچھ وقت آپ میرے پاس بھی رہیں۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ جب میرے شیخ

رہنے کے لئے فرما رہے ہیں تو چلو میں رہ لیتا ہوں ۔ چنانچہ میں نے کہا، حضرت! میں تین دن رہتا ہوں ۔ شیخ فرمانے لگے، بہت اچھا۔ میں تین دن ان کی صحبت میں رہا، اس کی برکت سے میرے اوپر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جب واپس گھر کو لوٹا تو تین سال میں ایک بار بھی تہجد قضا نہ ہوئی ۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے تین دن متواتر کبھی تہجد نہیں پڑھی تھی ۔

محنت کی چکی

دین کے لئے انسان کو محنت کرنی پڑتی ہے ۔ چکی پیسنی پڑتی ہے ۔ اس کو پیسے بغیر کسی کا فیض جاری نہیں ہوا ۔ آپ کسی بھی بزرگ کے حالات زندگی پڑھ کر دیکھ لیجئے جتنا مجاہدہ زیادہ کیا ہوگا اللہ رب العزت نے اتنا ہی فیض زیادہ جاری کیا ہوگا ۔ مثل مشہور ہے کہ جتنا گڑ ڈالیں گے اتنا ہی میٹھا ہوتا ہے ۔ اسی طرح اس راہ میں جتنا مجاہدہ کریں گے اپنی آسائش اور آرام کو دین کے تقاضوں پر قربان کریں گے اتنے ہی اس کے ثمرات ملیں گے ۔

رب لئی تج کرنا پیندا ہے آسائشاں نوں آراماں نوں
کنڈیاں تے چلنا پیندا ہے گلبدناں نوں گلفاماں نوں

اللہ کے دین کے لئے آسائش و آرام کو قربان کرنا پڑتا ہے ۔ اور بڑے بڑے نازنینوں کو بھی کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے ۔

احسان خداوندی

آپ حضرات جوان پہاڑوں کے اندر علم کا چراغ جلائے بیٹھے ہیں یہ اللہ رب العزت کی بڑی مہربانی ہے ۔ بلکہ یہ عاجز تو کہے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے

لاڈلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر:۳۲) پھر ہم نے کتاب کا وارث بنادیا اپنے بندوں میں سے ان کو جو ہمارے چنے ہوئے تھے، جو ہمارے پسندیدہ تھے، جو ہمارے لاڈلے تھے۔ محترم علماء کرام اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ کمال والے کا کمال ہے کہ اس نے ہم جیسے لوگوں کو یہ کام عطا فرمادیا۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت ازو شناس کہ در خدمت گذاشتت

اے مخاطب! بادشاہ پہ احسان نہ جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے۔ ارے! اس کی خدمت کرنے والے لاکھوں ہیں، یہ اس کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے اپنی خدمت کے لئے قبول فرمالیا ہے۔ اب یہ ہمارے ذمے ہے کہ ہم احسان شناسی کا مظاہرہ کریں۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کرنے کی کوشش کریں۔

خیر کے فیصلے

آپ دین کے کام کو اخلاص کے ساتھ کریں۔ ایک ایک بچے پر محنت کریں، دن میں اسے پڑھائیں اور رات کو اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی سنت ہے۔ اگر اس طرح کریں گے تو اللہ تعالیٰ خیر کے فیصلے فرمادیں گے۔ یہی ہمارے اکابرین کا طریقہ ہے۔ اور اسی طریقہ سے ان کو فیض آگے پھیلا ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی استقامت

حضرت شیخ الہندؒ کو دین کے لئے بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔ ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ جب ان کی وفات حکیم محمد اجمل کی کوٹھی پر ہوئی، غسل دینے والے نے دیکھا کہ ان کی پیٹھ پر زخموں کے بڑے بڑے نشان ہیں۔ اس نے رشتہ داروں سے پوچھا۔ انہوں نے گھر والوں سے پوچھا، لیکن کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ سب حیران تھے اہل خانہ سے بھی اس بات کو چھپائے رکھا، آخر یہ کیا معاملہ ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اس وقت کلکتہ گئے ہوئے تھے۔ ان کو شیخ الہندؒ کی وفات کا پتہ چلا تو وہاں سے جنازہ میں شرکت کے لئے آئے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ بتائیے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ حضرت مدنیؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمانے لگے، یہ ایک راز تھا اور حضرت نے منع فرما دیا تھا کہ میری زندگی میں تم نے کسی کو نہیں بتانا، اس لئے یہ امانت تھی اور میں بتا نہیں سکتا تھا، اب تو حضرت وفات پا گئے ہیں لہٰذا اب تو میں بتا سکتا ہوں۔ وہ فرمانے لگے کہ جب ہم مالٹا میں قید تھے، اس وقت حضرتؒ کو اتنی سزا دی جاتی، اتنی سزا دی جاتی کہ جسم پر زخم ہو جاتے تھے۔ اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ فرنگی انگارے بچھا دیتے اور حضرت کو اوپر لٹا دیتے تھے۔ جیل کے حکام کہتے کہ محمود! صرف اتنا کہہ دو کہ میں فرنگیوں کا مخالف نہیں ہوں۔ آپ کو ہم اتنا کہنے پر چھوڑ دیں گے۔ مگر حضرت فرماتے کہ نہیں، میں یہ الفاظ نہیں کہہ سکتا۔ وہ ان کو بہت زیادہ تکلیف دیتے تھے۔ حضرت جب اپنی جگہ پر رات کو سونے کے لئے آتے تو سو بھی نہیں سکتے تھے۔ نیند نہ آنے کی وجہ سے بھی تکلیف اور ادھر سے بھی

اذیتیں۔ ہم لوگ حضرت کی حالت دیکھ کر پریشان ہو جاتے۔ ہم نے ایک دن رو کر کہا، حضرت! آخر امام محمدؒ نے ''کتاب الحیل'' لکھی ہے لہٰذا کوئی ایسا حیلہ ہے کہ آپ ان کی سزا سے بچ جائیں۔ حضرت نے فرمایا، نہیں۔ ایک دن پھر حضرت کو سزا دی گئی۔ جب کئی دن متواتر یہ سزا ملتی رہی تو ایک دن ایک فرنگی کھڑا ہو کر کہنے لگا، تجھے ہے کیا، تو یہ کیوں نہیں کہنا چاہتا کہ میں فرنگیوں کا مخالف نہیں ہوں؟ اس وقت حضرتؒ نے فرمایا کہ میں اس لئے نہیں کہنا چاہتا کہ میں اللہ کے دفتر سے نام کٹوا کر تمہارے دفتر میں نام نہیں لکھوانا چاہتا۔

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرتؒ آئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کو اذیت ناک سزا دی گئی ہے۔ ہم حضرت کے ساتھ تین چار شاگرد تھے۔ ہم نے مل کر عرض کیا، حضرت! کچھ مہربانی فرمائیں۔ اب جب حضرت نے دیکھا کہ مل کر بات کی تو ان کے چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ فرمانے لگے، حسین احمد! تم مجھے کیا سمجھتے ہو، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت بلالؓ کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت خبیبؓ کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت سمیہؓ، میں روحانی بیٹا ہوں امام مالکؒ کا جنہیں منہ پر سیاہی مل کر مدینہ کے اندر پھرایا گیا، میں روحانی بیٹا ہوں امام ابو حنیفہؒ کا کہ جن کی لاش جیل سے باہر نکلی، میں روحانی بیٹا ہوں امام احمد بن حنبلؒ کا کہ جن کو اتنے کوڑے مارے گئے کہ اگر ہاتھی کو بھی مارے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا، میں روحانی بیٹا ہوں مجدد الف ثانیؒ کا کہ جن کو دو سال کے لئے گوالیار کے قلعے میں قید رکھا گیا تھا، میں روحانی بیٹا ہوں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا کہ جن کے ہاتھوں کو کلائیوں کے قریب سے توڑ کر بیکار بنا دیا گیا تھا، حسین احمد! کیا میں ان فرنگیوں کے سامنے شکست تسلیم کر لوں، نہیں، یہ میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہیں مگر دل سے

ایمان نہیں نکال سکتے۔ سبحان اللہ، جب ایسی استقامت ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ فیض بھی جاری فرما دیتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی استقامت اور اخلاص کے ساتھ دین کا کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

و آخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

علم اور علماء کی شان

اللہ رب العزت کے ہاں اہل علم کی بڑی شان ہے اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا گیا **العلم نور** علم ایک روشنی ہے۔ اور یہ بات ذہن میں رکھئے کہ علم کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ افضل ہوتی ہے کیونکہ سورج تو کچھ حصے کیلئے چمکتا ہے پھر ڈوب جاتا ہے صرف دن کو روشنی دیتا ہے رات کو روشنی نہیں دیتا لیکن علم کا سورج وہ سورج ہے جو دن کو بھی چمکتا ہے اور رات کو بھی چمکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل علم حضرات کی محفلیں راتوں کو بھی لگی رہتی ہیں۔

علم اور علماء کی شان

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ. وقال الله تعالٰى فى مقام اخر: وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا.

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

قدرت کا شاہکار

انسان اللہ رب العزت کی قدرت کا شاہکار ہے یہ اس دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اس کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ اللہ رب العزت نے یہ ساری کائنات انسان کیلئے بنائی جبکہ انسان کو اللہ رب العزت نے اپنے لئے بنایا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا" ان الدنیا خلقت لکم و انتم خلقتم للاخرة " کہ یہ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تمہیں آخرت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ کسی شاعر نے اسی مضمون کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیا کے واسطے
بحر و بر شمس و قمر ماہ و شما کے واسطے
یہ جہاں تیرے لئے ہے تو خدا کے واسطے

تو یہ سارا جہان اللہ رب العزت نے ہمارے لئے پیدا کیا اور ہمیں اس نے اپنی بندگی کیلئے پیدا کیا۔

مقصد زندگی

انسان کو اس دنیا میں آخرت کی تیاری کیلئے بھیجا گیا ہے۔ اگر اللہ رب العزت چاہتا تو اپنے بندوں کو عالم ارواح میں ہی اپنا ولی بنا دیتا۔ لیکن اس پروردگار نے حصول ولایت کے لئے انسان کو دنیا میں بھیجا تا کہ ہم یہاں پر محنت کریں اور اللہ رب العزت کا قرب حاصل کر سکیں۔

ولایت کی درجات

ولایت کے دو درجے ہیں ایک ولایت عامہ ہے۔ جس بندے نے بھی کلمہ پڑھا اس کو ولایت عامہ کا رتبہ مل گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا)۔ ولایت کا یہ درجہ ہر کلمہ گو کو نصیب ہے اور ایک ولایت خاصہ ہوتی ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے انسان کو تقویٰ اور پرہیز گاری کو اختیار کرنا پڑتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(جان لو کہ اللہ رب العزت کے دوستوں پر نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی حزن ہوتا ہے) (یونس: ۶۲)

خوف باہر کے ڈر کو کہتے ہیں اور حزن اندر کے غم کو کہتے ہیں یعنی نہ ان کو کوئی باہر کا ڈر ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی اندر کا غم ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (یونس: ۶۳)

(جو ایمان لائے اور انہوں نے تقویٰ کو اختیار کیا)

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ

(ان کے لئے دنیا اور آخرت میں بشارتیں اور مبارکیں ہیں)

علم وعمل کی سعادتیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان تقویٰ کیسے اختیار کرے؟ اس کے لئے پہلا قدم علم کا حاصل کرنا ہے اور دوسرا قدم اس علم پر عمل کرنا ہے۔ یہ دونوں بڑی نعمتیں ہیں۔ دینا جہاں کی سعادتوں کی کنجیاں علم وعمل کے اندر ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا جن پر اللہ رب العزت نے خاص رحمتیں نازل کیں وہاں پر یہ بھی فرمادیا کہ یہ وہ لوگ ہیں

مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:٦٩)

(جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں)

ان چار حضرات میں سے پہلے دو حضرات کی نسبت علم کے ساتھ زیادہ پکی ہے کیونکہ انبیائے کرام اللہ رب العزت کی طرف سے پیغام لے کر آئے اور صدیقین وہ ہیں جنہوں نے اس کی تصدیق کی۔ ان پر علم کی نسبت غالب ہے اور شہداء اور صالحین کی نسبت عمل کے ساتھ زیادہ پکی ہے اس آیت سے یہی معلوم ہوا کہ جہان کی سعادتیں علم وعمل کے اندر موجود ہیں۔

حصول علم کا فطری جذبہ

علم حاصل کرنے کا جذبہ ہر انسان کے اندر فطرتاً موجود ہے۔ جس طرح ہر انسان کو فطرتاً بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے اور نیند آتی ہے کیونکہ یہ اس کے

بدن کی ضرورتیں ہیں۔ اسی طرح علم حاصل کرنے کا جذبہ بھی ہر انسان کے اندر فطرتاً رکھ دیا گیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر آپ سفر کر رہے ہوں اور راستے میں کوئی مجمع نظر آئے تو مجمع کو دیکھ کر ہر آدمی پوچھے گا، بھئی! یہاں کیا ہوا ہے؟ دیکھئے یہ جو دل میں اک جذبہ اٹھا کہ یہاں کیا ہوا ہے یہ اصل میں علم حاصل کرنے کا جذبہ ہے۔ اسی طرح کئی لوگوں کو اخبار پڑھنے کا شوق ہوتا ہے لہٰذا صبح اٹھتے ہی وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، سناؤ بھئی! کوئی نئی خبر ہے؟ یہ نئی خبر جاننے کا جذبہ دراصل علم حاصل کرنے کا جذبہ ہے۔

اعضاء کی تقسیم

انسان کے جسم میں مختلف اعضاء ہیں ان اعضاء کی تقسیم تین طرح سے ہے

(۱) کچھ اعضائے علم ہیں جن سے انسان علم حاصل کرتا ہے جیسے آنکھ، کان، دماغ یہ سب ذرائع علم ہیں۔

(۲) کچھ اعضائے عمل ہوتے ہیں جیسے ہاتھ، پاؤں۔ ہاتھ اور پاؤں نے دماغ کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔

(۳) کچھ اعضائے مال ہوتے ہیں وہ کچھ چیزوں کے خزینے ہوتے ہیں جیسے انسان کا دل، پھیپھڑے اور معدہ وغیرہ

اللہ رب العزت کی تقسیم دیکھئے کہ ہاتھ اور پاؤں جن کو مزدور قسم کے اعضاء کہا جا سکتا ہے ان کو سب سے نیچے رکھا۔ جو اعضائے مال تھے ان کو درمیان میں رکھا اور اعضائے علم کو اللہ تعالیٰ نے سب سے اوپر رکھا۔ یعنی انسان کے جسم میں علماء کی بستی سب سے اوپر بسائی گئی پھر اہل مال کی اور اس کے بعد اہل محنت کی بستی بسائی گئی۔ گویا دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اعضائے علم کو شرافت بخشی

ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ ذرائع جو علم حاصل کرنے کا سبب بنتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شرافت بخش رہے ہیں تو جو انسان خود عالم بن جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو کیسی شرافت بخشیں گے؟

طالب علم کی فضیلت

حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر نیت نیت ہوتو طالب علم سے افضل کوئی نہیں ہوتا۔

حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ

من کان فی طلب العلم کانت الجنة فی طلبه

(جو انسان علم کی طلب میں ہوتا ہے جنت اس بندے کی طلب میں ہوتی ہے)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع۔ جو شخص علم دین حاصل کرنے کیلئے نکلا وہ واپس آنے تک اللہ کے راستے میں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مجاہدین اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے نکلتے ہیں تو راستے میں ان کو جو بھی تکالیف آتی ہیں اور مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اس کا ان کو اجر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح طالب علم جب گھر سے طلب دین کیلئے نکلتا ہے تو تو واپس آنے تک اس کا ہر ہر لمحہ اللہ کی راہ میں شمار ہوتا ہے۔ اور اسے گھر کے آرام وسکون کو خیر باد کہہ کر جو بھی مجاہدے کرنے پڑتے ہیں اس پر اجر ملے گا۔

عالم کی شان

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اللہ رب العزت کسی عام بندے سے خوش ہوتے ہیں تو اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی عالم سے خوش ہوتے ہیں تو اس کے لئے جنت میں شہر آباد کر دیا کرتے ہیں۔ جیسے دنیا میں نوابوں کی اپنی اپنی ریاستیں ہوتی ہیں اسی طرح اللہ رب العزت جنت میں علماء کا اکرام فرماتے ہوئے ان کی بستیاں آباد کریں گے۔

اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنے والوں کو بڑی شان بخشتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ ڈنگروں اور جانوروں جیسی زندگی گزارا کرتے کیونکہ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ العلم نور "علم ایک نور ہے"۔ گویا اللہ کے محبوب ﷺ نے العلم نور ارشاد فرما کر جہالت سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے حتیٰ کہ جب پہلی وحی اتری تو اس میں پہلا لفظ اقراء تھا اس کا مطلب ہے "پڑھ" یعنی اس امت کو اللہ رب العزت کی طرف سے جو پہلا پیغام ملا اس میں پڑھنے کی تلقین تھی۔ پھر فرمایا

اِقْرَاْءُ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ (العلق: آیت ۳)

(آپ پڑھئے اللہ رب العزت آپ کو عزتیں بخشنے والا ہے)

اس پیغام خداوندی سے علم کی اہمیت سامنے آتی ہے

عصری تعلیم اور دینی تعلیم

لہٰذا ہم میں سے ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ علم دین حاصل کرے۔ یاد

رکھیں کہ ایک عصری علم ہے جو سکولوں اور کالجوں میں حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ علم دنیا میں اچھی زندگی گزارنے کے لئے انسان کی ضرورت ہے۔ اس سے انسان کو کام کرنے کے لئے اچھا شعبہ مل جاتا ہے، اچھا عہدہ مل سکتا ہے، انسان بزنس کرسکتا ہے اور دنیا کی مشکلات حل کرنے کے لئے مال کما سکتا ہے۔ پس عصری تعلیم انسان کی ضرورت ہے۔ اس کے برعکس علم دین انسان کیلئے مقصد کے درجے میں ہے۔ یہ مقصد زندگی ہے کہ ہم علم حاصل کریں کیونکہ علم سے اللہ رب العزت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ فارسی میں کہتے ہے۔

بے علم نتواں خدا را شناخت

(کہ بے علم آدمی اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتا)

چونکہ علم دین مقصد زندگی ہے اس لئے اس کی عظمت بہت زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو حکم دیا گیا:

طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة

(علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے)

پھر اس کے حصول کے لئے عمر کی بھی کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ یہ بھی نہیں کہا گیا کہ تم لڑکپن میں علم حاصل کرو، یہ بھی نہیں کہا گیا کہ جوانی میں علم حاصل کرو۔نہیں، بلکہ فرمایا کہ اطلبو العلم من المهد الى اللحد تم علم حاصل کرو پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان پوری زندگی طالب علم بن کر رہے۔ اس لئے ہم نے پوری زندگی علم حاصل کرنا ہے اور آگے بڑھنا ہے۔

علم پر عمل

علم اور عمل سے انسان کو اللہ رب العزت کے ہاں درجات ملتے ہیں۔ شروع میں قرآن پاک کی دو آیتیں تلاوت کی گئیں۔ پہلی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اہل علم کو درجات ملیں گے اور دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عمل کو درجات ملیں گے۔ یعنی علم و عمل ہی وہ نسبتیں ہیں جن کی وجہ سے بندے کو درجات ملیں گے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل علم کو درجات عطا کریں گے دوسری میں فرمایا کہ لوگ جتنا عمل کریں گے اتنے ہی ان کے درجے بڑھیں گے۔ حقیقت میں یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان کے درجات بڑھتے ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کا مقرب بنتا ہے اس لئے ہمیں علم بھی حاصل کرنا ہے اور اس پر عمل بھی کرنا ہے۔ علم کے بغیر عمل نہیں ہوسکتا اور عمل کے بغیر علم بے کار ہے۔

دنیا کا سورج اور علم کا سورج

اللہ رب العزت کے ہاں اہل علم کی بڑی شان ہے اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا گیا **العلم نور** علم ایک روشنی ہے۔ اور یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ علم کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ افضل ہوتی ہے کیونکہ سورج تو کچھ حصے کیلئے چمکتا ہے پھر ڈوب جاتا ہے صرف دن کو روشنی دیتا ہے رات کو روشنی نہیں دیتا لیکن علم کا سورج دن کو بھی چمکتا ہے اور رات کو بھی چمکتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ اہل علم حضرات کی محفلیں راتوں کو بھی لگتی رہتی ہیں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جن دنوں تحریک آزادی کیلئے کوششیں کر

رہے تھے ان دنوں آپ کبھی رات کے ایک بجے جلسہ سے فارغ ہو کر واپس دارالعلوم آتے اور کبھی دو بجے آتے۔ اس لئے طلباء نے دارالعلوم دیوبند کے دربان کو کہا ہوا تھا کہ جب بھی حضرت تشریف لاتے ہیں تو وضو کر کے تہجد کی نماز مسجد میں پڑھتے ہیں جیسے ہی وہ وضو کر کے نماز پڑھیں آپ ہمیں جگا دینا۔ جب حضرت سلام پھیرتے تو حدیث کے طلباء اپنی کتابیں لے کر حضرت کے پیچھے بیٹھ چکے ہوتے رات کے دو بجے درس حدیث ہوتا تھا اس وقت کے طلباء میں علم حاصل کرنے کا اتنا شوق تھا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے چہرے پر ایسا نور ہوتا تھا کہ جب حضرت اوابین یا تہجد کی نماز پڑھتے تو طلبا ستونوں یا دیواروں کے پیچھے سے حضرت کے چہرے کو دیکھتے رہتے تھے۔ یوں اللہ تعالیٰ ان کے چہرے پر انوارات کی بارش برسایا کرتے تھے۔

عالم کی عابد پر فضیلت

حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ **فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم** عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جو تم میں سے کسی عام آدمی پر مجھے کو حاصل ہے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ **مجلس فقیه خیر من عبادة ستین سنة** فقیہ کی ایک مجلس اختیار کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ علم کا ایک باب سیکھنا ہزار رکعت نفل پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے مثلاً تیمّم کرنے کا طریقہ سیکھنا علم کا ایک باب ہے۔ یہ سیکھنے پر بھی ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بھی زیادہ اجر ملتا ہے۔

جنت میں بھی علماء کی سرداری

یہ بات یاد رکھیں کہ دنیا اور آخرت میں سرداری اہل علم ہی کی ہو گی۔ کنزالعمال کی چوتھی جلد میں حضرت جابرؓ سے ایک روایت ہے کہ جب لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کو جنت میں مزے اڑاتے ہوئے بڑا عرصہ گزر جائے گا تو اللہ رب العزت پوچھیں گے، اے میرے بندو! کیا اب بھی تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ وہ کہیں گے، اے اللہ! ہر چیز تو موجود ہے اور ہم مزے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اچھا، تم اپنے علماء سے پوچھو۔ چنانچہ جنتی لوگ علماء کی طرف رجوع کریں گے اور کہیں گے کہ پروردگار عالم نے یہ فرمایا ہے، اب آپ بتایئے۔ علماء فرمائیں گے، ہاں، پروردگار نے وعدہ فرمایا تھا وَلَدَیْنَا مَزِیْد کہ تمہیں مزید بھی عطا کیا جائے گا، یعنی اپنا دیدار اور مشاہدہ نصیب کیا جائے گا، ابھی تک ہمیں جنت کی نعمتیں تو ملی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ لہٰذا علماء کا جواب سن کر جنتی فریاد کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔

علماء کی نیند بھی عبادت ہے

ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا، نوم العلماء عبادة کہ علماء کی نیند بھی عبادت ہے۔ یہ ایک عجیب سی بات لگتی ہے کہ علماء کی نیند بھی عبادت ہے مگر ایک مثال سے اس کو سمجھنا آسان ہوگا...... اگر آپ کسی لکڑی کے کاریگر کو کام کرنے کیلئے گھر لاتے ہیں وہ کاریگر لکڑی کاٹتا ہے اور کام شروع کر دیتا ہے اس دوران اس کی آری کند ہو جاتی ہے تو وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر آری کو تیز کر لیتا ہے۔

وہ جتنی دیر اپنے اوزار کو ٹھیک کرنے میں لگا رہا ہے اتنی دیر بھی اس کی اجرت میں شامل کی جائے گی۔ دنیا کا کوئی بندہ بھی اس کی اجرت نہیں کاٹتا..... جس طرح آج دنیا کسی مزدور کو اس کے اوزار درست کرنے کے وقت کی بھی مزدوری دیتی ہے اسی طرح اہل علم جب کام کر رہے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت کی بھی مزدوری دیتے ہیں اور جب ان کے جسم تھک جاتے ہیں اور وہ آرام کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس آرام کے وقت کو بھی مزدوری میں شامل فرما لیتے ہیں۔ سبحان اللہ جاگنے کی حالت میں ان کو اجر تو مل رہا ہوتا ہے اللہ رب العزت کی کیسی مہربانی ہوتی ہے کہ ان کو سو جانے پر بھی اجر مل رہا ہوتا ہے۔ گویا ان کا سونا بھی ''سونا'' بن جاتا ہے۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ علماء کرام کو جب سونے پر یہ اجر مل رہا ہوتا ہے تو ان کو جاگنے پر کیا اجر مل رہا ہو گا۔

عالم کی شہید پر فضیلت

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی سیاہی شہیدوں کے خون سے بھی زیادہ فضیلت پائے گی۔

Ink of Scholers is precious than the blood of morters

یہ بات بڑی عجیب نظر آتی ہے کہ اُدھر تو شہید کا خون ہے اور ادھر علماء کی سیاہی ہے، یہ بات ظاہر میں تو سمجھنا مشکل ہے مگر حقیقت میں اسمیں بہت حکمتیں ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ عالم کو شہید پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ عالم کی مثال ایسے ہے جیسے بادشاہ کا بیٹا ہو، اور شہید کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا فوجی ہو۔ تو یہ ہر بندہ جانتا ہے کہ شہزادے کو فوجی پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ علماء

انبیاء کے وارث ہیں اور شہدا انبیاء کے سپاہی اور خادم ہیں جو دین کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ وارث کو خادم پر فضیلت ہوا کرتی ہے۔

علماء اسکی دوسری حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ شہید جب شہید ہوتا ہے تو وہ اپنے خون سے زمین کو زینت بخش جاتا ہے، لیکن عالم جب علم کو پھیلاتا ہے تو اس کے علم سے انسان کو زینت نصیب ہوتی ہے کیونکہ اگر انسانوں کو علم نہ ملتا تو وہ پکے جانور ہوتے، بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتے۔ گویا شہید جب شہید ہوتا ہے تو وہ اپنے خون سے زمین کو زینت بخش جاتا ہے اور جب عالم دنیا سے جاتا ہے تو اپنے علم کی وجہ سے انسانوں کو زینت بخش جاتا ہے۔

تیسری حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ شہید جب شہید ہوتا ہے تو اس سے پہلے وہ کسی سے لڑ رہا ہوتا ہے۔ گویا وہ لڑنے کی وجہ سے اپنے مدمقابل کے قتل کے درپے ہوتا ہے کہ کافر کو واصل جہنم کر دوں۔ لیکن کافر ان پر ایک ایسا کامیاب وار کرتا ہے کہ وہ شہید ہو جاتے ہیں۔ لیکن عالم کا معاملہ اور ہے عالم خود بھی زندہ ہوتا ہے اور جس کو علم دیتا ہے اس کو بھی زندہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا **الناس موتی** انسانوں کی مثال مردوں کی سی ہے لیکن **اهل العلم احياء** اہل علم زندہ ہوتے ہیں۔

عالم کو شہید پر فضیلت حاصل ہونے کی چوتھی حکمت یہ بھی ہے کہ شہید جب شہید ہوتا ہے تو خود تو جنت میں چلا جاتا ہے لیکن جو اسے شہید کرتا ہے اس کے جہنم میں جانے کا سبب بنتا ہے لیکن عالم کا معاملہ کچھ اور ہے عالم جو علم پڑھاتا ہے اس علم کے صدقے وہ خود بھی جنت میں جائے گا اور جس شاگرد کو وہ علم

پڑھاتا ہے وہ اس کو بھی اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔

ایک حدیث پاک میں آیا ہے روز محشر ایک عالم اور شہید پل صراط کے اوپر سے گزرنے لگیں گے۔ اس دوران شہید سے کہا جائیگا کہ **ادخلو الجنة** کہ جنت میں داخل ہو جا۔ تیرا گھر تیرے انتظار میں ہے لیکن جب عالم گزرنے لگے گا تو اس سے کہا جائیگا، **قف ھھنا واشفع لمن شئت** تو ادھر کھڑا ہو جا، تو شفاعت کر جس کی تو چاہتا ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں **فقام مقام الانبیاء** وہ اس وقت انبیاء کے مقام پر کھڑا ہوگا۔ جس طرح انبیاء نے اللہ کے بندوں کی شفاعت کی ہوگی عالم باعمل بھی اسی طرح اللہ کے بندوں کی شفاعت کرے گا۔

علمی سوال کی فضیلت

اگر کسی سائل نے مجبور ہو کر روٹی کا سوال کیا اور گھر میں خاتون خانہ نے کوئی روٹی بنائی ہوئی تھی اس نے اپنی خادمہ یا کسی بچے کو روٹی دی کہ جا کر اس سائل کو دے دو۔ تو حدیث پاک میں آیا ہے کہ وہ روٹی صدقہ کرنے پر اللہ تعالیٰ تین بندوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ سب سے پہلا وہ شخص جس نے محنت کی تھی اور اس کے پیسے سے آٹا آیا تھا۔ دوسری وہ عورت جس نے اس آٹے سے روٹی بنائی تھی اور تیسری وہ خادمہ یا کوئی بچہ جس نے وہ روٹی سائل تک پہنچائی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت کی رحمت بھی کتنی بڑی ہے کہ جس نے اجر و ثواب میں ہمارے خادموں کو بھی شامل فرما دیا ہے۔

ایک سائل علم کا سوال پوچھنے والا بھی ہوتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے

شفاء العی السؤال کہ جہالت ایک بیماری ہے اور اس بیماری کی شفا سوال پوچھنے میں ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا حسن السوال نصف العلم اچھا سوال پوچھنا آدھا علم ہے۔ اور قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۴۴) اگر تم نہیں جانتے تو تم اہل علم سے پوچھو۔ معلوم ہوا کہ شریعت میں علم کا سوال پوچھنا اللہ رب العزت کے ہاں ایک پسندیدہ عمل ہے۔ البتہ سوال برائے سوال نہیں ہونا چاہیئے۔ کئی دفعہ لوگ دوسروں کو تنگ کرنے کیلئے اور نیچا دکھانے کیلئے سوال کرتے ہیں ایسے سوالوں سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ (المائدہ:۱۰۱) لہٰذا ہر بات کا سوال نہیں کر دینا چاہئے بلکہ وہ سوال پوچھنا چاہئے جو معیاری اور مثبت ہو اور علم حاصل کرنے کی نیت سے ہو۔

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ العلم خزائن فسئلوا یرحمکم اللہ فانہ یوجر فیہ اربعۃ تم سوال پوچھا کرو، اللہ تم پر رحم فرمائے، اس لئے کہ علم کا سوال پوچھنے پر چار قسم کے بندوں کی مغفرت ہوا کرتی ہے۔ السائل والمعلم والسامع والمحب لھم پہلا وہ بندہ جو سوال پوچھنے والا ہوتا ہے، دوسرا وہ شخص جو سوال کا جواب دے رہا ہوتا ہے، تیسرا وہ شخص جو پاس بیٹھا ہو اور ان دونوں کے سوال و جواب سن رہا ہو اور چوتھے وہ لوگ جو اس سائل اور معلم سے محبت کرنے والے اور ان کا تعاون کرنے والے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوتے ہیں اللہ رب العزت محبت کے صدقے ان کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ روٹی کا سوال کرنے پر تین بندوں کی مغفرت کا اور علم کا سوال کرنے پر چار بندوں کی مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہاں روٹی کے سوالی کیلئے مغفرت کا وعدہ نہیں کیا گیا کیونکہ اس نے روٹی کی ضرورت بیان کی تھی اس لئے اسے روٹی کی صورت میں سوال کا بدلہ مل گیا۔ لیکن علم کا سوال کرنے کی شان ہی کچھ اور ہے کہ سب سے پہلے سوال کرنے والے کی مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے، دوسرا وعدہ معلم سے کیا گیا اور تیسرا وہ شخص جو اس محفل میں ان کے پاس بیٹھا ہو .... گویا جماعت میں سے سؤال تو ایک طالب علم پوچھتا ہے لیکن جو طلباء پاس بیٹھ کر جواب سنتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی اجر میں شامل فرما لیتے ہیں یہی نہیں کہ اب یہ سننے والے ہی اجر میں شامل ہیں بلکہ اس جماعت کو منعقد کرنے والے وہ معاونین اور مخیّر حضرات جو ان کے کھانے پینے اور پڑھنے پڑھانے کا انتظام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھنے کے سبب ان کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

حصول علم کیلئے مجاہدہ ضروری ہے

ہمیں چاہئے کہ ہم علم حاصل کرنے میں تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ یاد رکھئے کہ سچا پکا طالب علم وہ ہوتا ہے جو مدرسے کو اپنا وطن سمجھے اور کتاب کے کاغذ کو اپنا کفن سمجھے۔ دن رات اس کی یہی فکر ہو کہ میں کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ کیسے حاصل کر سکتا ہوں۔

اکابر کا علمی انہماک

امام شافعیؒ کا علمی شغف

امام محمدؒ امام شافعیؒ کے استاد بنے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے رات امام محمدؒ کے پاس ایک رات گزارنے کا موقع ملا۔فرماتے ہیں کہ انہوں نے عشاء کے بعد چراغ کے سامنے کتاب کھولی اور اس میں سے کچھ پڑھا، پھر چراغ بجھا دیا اور لیٹ گئے۔تھوڑی دیر کے بعد اٹھے، چراغ جلایا، پھر کتاب دیکھی اور پھر لیٹ گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد اٹھے، چراغ جلایا کتاب دیکھی اور پھر لیٹ گئے فرماتے ہیں کہ میں ساری رات جاگا اور میں نے گنا کہ انہوں نے ایک رات میں سترہ مرتبہ اٹھ کر چراغ جلایا۔سترہ مرتبہ کا کیا مطلب؟...... اگر آٹھ گھنٹے کی رات ہو تو ہر آدھ گھنٹے بعد چراغ جلایا، اب سوچئے کہ وہ سوئے کہاں؟ دراصل وہ چراغ بجھاتے اس لئے تھے کہ فالتو تیل نہ جلے اور اسراف (فضول خرچی) نہ ہو جائے پھر جب وہ لیٹتے تھے تو وہ نیند نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ غور وخوض اور تدبر و تفکر کیا کرتے تھے۔فرماتے ہیں کہ جب صبح اٹھے تو میں نے عرض کیا، حضرت! آپ رات کو سترہ مرتبہ اٹھے تھے، آپ کتنا سوئے ہوں گے؟ تو امام محمدؒ نے جواب دیا کہ میں رات سویا نہیں بلکہ میں نے ایک ہزار مسائل کے جواب تلاش کر لئے ہیں۔اللہ اکبر کبیرا

علم حاصل کرنے کا شوق اس طرح ہونا چاہئے کہ انسان کو نیند سے زیادہ علم حاصل کرنے میں مزہ آئے، انسان مطالعہ کرے تو ڈوب جائے۔

امام مسلمؒ کا مطالعہ میں استغراق

امام مسلمؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ کوئی حدیث پاک تلاش کر رہے تھے اس وقت انہیں بھوک بھی لگی ہوئی تھی ساتھ ہی کھجوروں کی ایک تھیلی پڑی ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے ایک کھجور منہ میں ڈالی اور کتاب کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت مطالعہ کے اندر اس قدر استغراق کی کیفیت تھی کہ پتہ ہی نہ رہا کہ میں کتنی کھجوریں کھا چکا ہوں۔ چنانچہ کھاتے کھاتے جب زیادہ کھا لیں تو اس کی وجہ سے بیمار ہو گئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے۔ ان کو علم میں اتنا استغراق نصیب ہوتا تھا کہ انہیں گرد و پیش کی خبر ہی نہیں ہوتی تھی۔

حضرت شاہ عبد العزیزؒ کا علمی انہماک

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عمر کا آخری زمانہ تھا۔ ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے شاہ عبد العزیزؒ نے درس قرآن کے دوران پانی مانگا ایک طالب علم بھاگ کر ان کے گھر گیا اور کہا کہ شاہ صاحب نے پانی مانگا ہے۔ جب شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سنا تو انہوں نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگے، افسوس! میرے خاندان سے علم کا نور اٹھا لیا گیا۔ بیوی نے کہا، جی آپ اتنی جلدی فیصلہ نہ کریں میں ابھی صورتحال معلوم کر لیتی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے گلاس میں پانی ڈالا اور اس میں سرکہ ملا دیا۔ سرکہ کڑوا ہوتا ہے اور پینے میں عجیب ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔ وہ طالب علم جب سرکہ ملا پانی لے گیا تو شاہ عبد العزیزؒ نے وہ پانی لے کر پی لیا اور درس قرآن دیتے رہے۔ جب درس قرآن سے

فارغ ہو کر گھر آئے تو والدہ نے پوچھا، بیٹا! تم نے پانی پی لیا تھا؟ عرض کیا، جی پی لیا تھا۔ والدہ نے پوچھا، وہ پانی کیسا تھا؟ عرض کیا، امی! مجھے یہ تو پتہ نہیں کہ کیسا تھا۔ اب انہوں نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے عرض کیا کہ دیکھئے کہ عبدالعزیزؒ کو پانی کی اتنی شدید پیاس تھی کہ پانی میں سرکہ کا پتہ نہیں چلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے بے ادبی کی وجہ سے نہیں پیا بلکہ اپنی ضرورت کی وجہ سے پیا جو عین جائز تھا ورنہ تو درس بھی نہ دے پاتے، اس لئے ہمارے خاندان سے ابھی ادب رخصت نہیں ہوا۔ یہ سن کر شاہ ولی اللہؒ نے اطمینان کا سانس لیا اور دعا کی، اے اللہ! میرے خاندان میں علم وادب کو ہمیشہ باقی رکھنا۔

آج کے طلباء کی حالت

آج جب ہمارے طلباء مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی کیا حالت ہوتی ہے؟ ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کتاب ان کے سامنے ہوتی ہے اور دل دماغ کہیں اور ہوتے ہیں۔ بقول شاعر

کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

ان کو کتابوں کے ورق میں بھی کسی کا چہرہ نظر آتا ہے جیسے کوئی آدمی راستہ چلتے ہوئے دوسروں کو سلام کرتا ہے اسی طرح طلباء مطالعہ کے دوران کتاب کے الفاظ سے سلام کرتے ہوئے گزر رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مطالعہ ہو گیا ہے۔ اگر ہم اس طرح مطالعہ کریں گے تو ہمیں پھر علم کا کتنا نور ملے گا؟ حالانکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کتابوں سے علم حاصل کیا جائے اور پھر اس کے مطابق اپنی زندگی گزاری جائے۔

عزیز طلبا! یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کیجئے جب جماعت میں بیٹھیں تو ہمہ تن متوجہ ہو کر بات سنیں کلاس میں استاد پڑھا رہے ہوتے ہیں اور وہ کھلی آنکھ سوئے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک نئی چیز ہے کہ آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور دماغ سویا ہوا ہوتا ہے یہ آجکل کے زمانے کے نئے طلبا کی نئی تحقیق ہے۔ وہ استاد کو بالکل پتہ نہیں چلنے دیتے کہ وہ سو رہے ہیں یا نہیں۔ لیکن وقت چلا جاتا ہے۔ عزیز طلبا! یہ حقیقت میں نفس اور شیطان ہیں جو ہمیں علم سے محروم کرنا چاہتے ہیں وقت کی قدر کریں۔ یاد رکھیں کہ زندگی کا یہ وقت جو آپ کو ملا ہوا ہے یہ زندگی میں دوبارہ آپ کو کبھی نہیں ملے گا

وحدت مطلب

جب اس طرح ڈوب کر کتاب پڑھیں گے تو پھر علوم و معارف کے موتی سامنے آئیں گے اور انسان کو صحیح معنوں میں علم کا نور ملے گا۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم شوق و ذوق کے ساتھ علم حاصل کریں۔ ہمیں صبح و شام یہی فکر ہو ادھر ادھر کے خیالات کو ذہن میں ہرگز نہ لائیں۔ اس کو کہتے ہیں ''وحدت مطلب'' یعنی کہ انسان کو ہر وقت اپنے مقصود کی فکر لگی ہوئی ہو اور یہی چیز اس کے پیش نظر ہو کہ میں نے تو علم حاصل کرنا ہے۔

شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے اپنے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ زمانہ طالبعلمی میں جب دوران سال میرے عزیز و اقارب کے خطوط آتے تھے تو میں ڈر کے مارے وہ خط ہی نہیں پڑھا کرتا تھا بلکہ ان کو مٹکے میں رکھ دیتا تھا سوچتا تھا اگر کوئی خوشی کی خبر ہوگی تو گھر جانے کو دل کرے گا اور اگر کوئی غم کی خبر ہوگی تو پڑھائی میں دل نہیں لگے گا، جس کی وجہ سے میں علم سے محروم ہو جاؤں

گا۔ میں وہ خطوط جمع کرتا رہتا تھا اور سال کے آخر میں جب میں شعبان کے شروع میں اپنے دارالعلوم کا امتحان دے کر فارغ ہو جاتا تو فارغ ہونے والے دن میں سارے خطوط نکالتا، انہیں پڑھتا اور ان کی فہرست بناتا، خوشی کی خبر والے خطوط کی علیحدہ فہرست اور غمی کی خبر والے خطوط کی علیحدہ فہرست بناتا۔ پھر میں اپنے گاؤں آتا، خوشی کی خبر والوں کو میں مبارکباد دیتا اور جن کو غم ملا ہوتا تھا ان کے سامنے تسلی وتشفی کے چند الفاظ کہہ دیتا تھا اس طرح لوگ مجھ سے خوش ہو جاتے کہ اس نے سارا سال ہماری بات یاد رکھی، لیکن ان کو کیا پتہ کہ میں نے ان کا خط ہی اسی وقت پڑھا ہوتا تھا۔ تو جن حضرات نے دنیا میں عظمتیں پائیں انہوں نے علم حاصل کرنے میں ایسی یکسوئی دکھائی۔ مگر آج کے طالب علم کو کتاب کے علاوہ خارجی باتوں کو سننے کا زیادہ شوق ہے چنانچہ جب تکرار کرنے بیٹھتے ہیں تو دو باتیں سبق کی اور تین باتیں باہر کی کرتے ہیں حتیٰ کہ کتاب پڑھتے ہوئے ملکوں کے فیصلے ہو رہے ہوتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شیطان ان کو علم سے محروم کرنا چاہتا ہے لہٰذا باتوں میں لگا دیتا ہے۔

اساتذہ کی قدر

جن اساتذہ سے آپ اب علوم پا رہے ہیں معلوم نہیں کہ یہ اساتذہ بعد میں آپ کو کبھی ملیں گے یا نہیں۔ اس نعمت کی قدر ان سے پوچھیں جن کے اساتذہ رخصت ہو چکے ہیں اور اب ان کو اپنا آپ بے سایہ نظر آتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے تحریک ریشمی رومال کے دوران ارادہ فرما لیا کہ اب میں حرمین شریفین جاتا ہوں۔ ایک دن آپ دارالعلوم دیوبند میں چارپائی پر بیٹھے دھوپ میں زمین پر پاؤں رکھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے ان دنوں

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ حضرت کی عدم موجودگی میں بخاری شریف پڑھاتے تھے۔اس دوران ان کی نظر حضرت پر پڑی ۔ جب درس دے کر تھک گئے تو طلباء سے فرمایا کہ آپ تھوڑی دیر بیٹھیں میں ابھی آتا ہوں۔ انہوں نے درس کو موقوف کیا اور دارالحدیث سے باہر نکل کر سیدھے حضرت کے پاس آ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گئے ۔اس کے بعد حضرت سے عرض کرنے لگے، حضرت! پہلے آپ یہاں تھے۔ جب ہمیں ضرورت پڑتی تھی تو ہم آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، آپ نے یہاں سے ہجرت کا ارادہ فرمالیا ہے اس طرح تو ہم بے سایہ ہو جائیں گے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے یہ الفاظ کہے اور رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے بچوں کی طرح بلکنا شروع کر دیا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی انہیں رونے دیا، جب ان کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو اس وقت شیخ الہندؒ نے انہیں تسلی کی بات کہی اور فرمایا، انور شاہ! ہم تھے تو آپ ہماری طرف رجوع کرتے تھے اور جب ہم چلے جائیں گے تو پھر لوگ علم حاصل کرنے کیلئے تمہاری طرف رجوع کیا کریں گے۔ چنانچہ شاہ صاحب کو اس طرح کی تسلی کی باتیں کر کے واپس بھیج دیا۔

جب شاہ صاحب چلے گئے تو حضرت شیخ الہندؒ کے اپنے دل میں خیال آیا کہ ان کو تو اپنے استاد کی دعاؤں کی اتنی قدر ہے اور آج میں اتنے بڑے کام کیلئے جا رہا ہوں لیکن آج میرے سر پر تو استاد کا سایہ نہیں ہے جن کی دعائیں لے کر چلتا۔ چنانچہ یہ سوچتے ہی ان کو حضرت نانوتویؒ کا خیال آیا اور طبیعت میں رقت طاری ہوئی۔ لہٰذا وہیں سے اٹھے اور سیدھے حضرت نانوتویؒ کے گھر گئے، دروازے پر دستک دی اور ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر آواز دی، اماں جی!

میں محمود حسن ہوں، اگر حضرت نانوتویؒ کے جوتے گھر میں پڑے ہیں تو وہ بھجوادیں۔ چنانچہ اماں جی نے ان کے جوتے ان کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے استاد کے جوتے اپنے سر پر رکھے اور اللہ رب العزت سے دعا کی، اے اللہ! آج میرے استاد سر پر نہیں ہیں، میں ان کے جوتے سر پر رکھے بیٹھا ہوں، اے اللہ! اس نسبت کی وجہ سے تو میری حفاظت فرمالینا اور مجھے اپنے مقصد میں کامیاب فرمادینا۔ تو استادوں کی قدر اس وقت آتی ہے جب دیکھنے کیلئے فقط ان کے جوتے باقی رہ جاتے ہیں۔

سچے طالب بنیں

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ موقع دیا ہوا ہے کہ اپنے اساتذہ کے سامنے بیٹھ کر علم حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اساتذہ کے سامنے بیٹھ کر علم حاصل کرنے کیلئے قرآن پاک نے ایک اصول بتادیا ہے، فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اس قرآن کی باتوں میں ان کیلئے نصیحت ہے جن کے اندر دل ہو۔ بعض اوقات سینے میں دل کی بجائے سل بھی ہوتی ہے جس پر نصیحت کی باتوں کا بالکل ہی اثر نہیں ہوتا۔ آگے فرمایا اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ (ق:۳۷) ہمہ تن گوش اور حاضر باش ہو۔ گویا قرآن نے اصول بنادیا ہے کہ قرآن سنانے والوں سے، درس قرآن دینے والوں کی باتوں سے اور استاد کی باتوں سے نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کی باتوں سے اس بندے کو فائدہ ہوتا ہے جس کے دل میں طلب ہو وہ ہمہ تن گوش ہو اور حاضر باش ہو لہٰذا اگر آپ اپنے اساتذہ کے سامنے ان باتوں کا خیال رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو علم کے نور سے منور فرمادیں گے۔

ایک عالم اور عام آدمی کی توبہ میں فرق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عالم کی توبہ پر اس کے چالیس گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں جبکہ عام آدمی کے اسی طرح توبہ کرنے پر صرف ایک گناہ معاف کرتے ہیں۔ محدثین نے اس کی حکمت لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ عام آدمی کی مثال سپاہی کی ہے اور عالم کی مثال جرنیل کی ہے ایک سپاہی بیمار ہوتا ہے اور ایک جرنیل بیمار ہوتا ہے تو کس کا صحتمند ہونا زیادہ ضروری ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ جرنیل کا۔ کیونکہ اس نے پورے لشکر کو لڑانا ہوتا ہے اور جرنیل کے بغیر لشکر بے کار ہوتا ہے۔ جس طرح جرنیل بدنی طور پر بیمار ہو جائے تو اس کا صحت مند ہونا پہلے ضروری ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جس وقت حزب اللہ (اللہ کا گروہ) دین کا کام کر رہا ہوتا ہے تو اس میں جرنیل (عالم) کا صحتمند ہونا زیادہ اہم ہوتا ہے...... جیسے خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھتی تھیں تو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعاب مبارک لگایا اور اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمادی، پھر ان کے ہاتھ جھنڈا دے کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔ لہٰذا جب عام آدمی اللہ رب العزت کے سامنے استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک گناہ کو معاف کرتے ہیں جب کہ اتنا ہی استغفار کرنے پر اللہ تعالیٰ ایک عالم کے چالیس گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

اللہ کے لاڈلے

یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو قرآن وسنت کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادی۔ آپ حضرات اللہ رب العزت کے یقیناً

پسندیدہ بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر:۳۲) پھر ہم نے کتاب کا وارث بنا دیا اپنے بندوں میں سے ان کو جو ہمارے چنے ہوئے بندے تھے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ جو ہمارے لاڈلے تھے۔

یاد رکھیں کہ آپ پر اللہ رب العزت کی رحمت کی نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دینے کا ارادہ کر چکے ہیں اور اب لینا آپ کا کام ہے طلب جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی بڑی جھولی پھیلی ہوگی اور جو جتنی بڑی جھولی پھیلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی عطا فرمائیں گے۔ وہ دینے والا بڑا کریم ہے۔ آپ کی طلب برتن کی مانند ہے اگر علم کی عام سی طلب ہے تو پھر اتنا ہی برتن بھرا جائے گا اور اگر علم کی طلب دل میں اتر چکی ہے اور ہر وقت اسی کی فکر رہتی ہے تو پھر برتن بھی بڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ طلب کے برتن بھر دیں گے اور علم کے نور سے مالا مال فرما دیں گے۔

علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے علم حاصل کرنا ہے اس سے بھی درجات ملتے ہیں لیکن ایک آیت اور پڑھی تھی جس کا تعلق عمل کے ساتھ تھا۔ اس علم کو عمل کے سانچے میں ڈھال لینا ہے یعنی جو پڑھنا ہے ساتھ ہی اس پر عمل کرنا ہے اگر علم پر عمل کرتے رہیں گے تو پھر علم ہمیشہ کیلئے آپ کے سینے میں جگہ پالے گا۔ یاد رکھنا کہ علم عمل کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اگر کھل جائے تو باقی رہتا ہے ورنہ ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جاتا ہے۔

اکابر کا علم پر عمل

ہمارے اکابرین علمائے دیوبند علم کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ لیکن انہوں نے جو کچھ علم حاصل کیا اس کے ایک ایک جزو کو اپنے اوپر لاگو کر کے دکھا دیا۔ وہ سنت نبوی کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ ان کا سنت پر عمل اور شریعت پر استقامت کے عجیب وغریب واقعات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی ناکام ہوگئی تو انگریزوں نے علمائے کرام کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی سلسلہ میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی گرفتاری کے وارنٹ بھی جاری ہوگئے۔ احباب نے باہم مشورہ کر کے حضرت کو ایک گھر میں چھپا دیا۔ حضرت تین دن تو روپوش رہے لیکن تین دن بعد زبردستی وہاں سے نکل آئے۔ احباب نے بہت زور لگایا کہ ابھی حالات درست نہیں ہیں باہر آنا آپ کے لئے خطرناک ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی زندگی میں تین دن ہی غار ثور میں چھپے تھے لہذا میں چاہتا ہوں کہ مجھے بھی اس سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل ہو جائے۔ سبحان اللہ

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے سنت پر عمل کے واقعات بے شمار ہیں۔ خاص طور پر ان کا آخری رات تہجد کی نماز کی کیفیت عجیب ہوتی تھی۔ تہجد میں عموماً دو پارے تلاوت کرتے تھے اور قرات کے دوران اس قدر خشوع اور اتنا گریہ طاری ہوتا کہ سینے سے کھولتے سانسوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بھی احادیث میں یہی لکھا ہے کہ آپ نماز ایسی پڑھتے تھے کہ آپ کے اندر سے رونے کی وجہ سے ہانڈی کے جوش مارنے کی سی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ لہذا آپ کی نماز میں اسی سنت کی اتباع ملتی ہے۔ نماز کے بعد آپ استغفار پڑھتے اور دعا مانگتے تو روتے اور اس طرح سسکیاں اور ہچکیاں لیتے جیسے کوئی بچہ پٹ رہا

ہو۔

❁ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ حج کیلئے تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں مملکت عرب میں سفر عموماً اونٹوں پر ہوتا تھا۔ سفر کی رہنمائی اور انتظامات کے سلسلے میں جیسے آج کل معلم ہوتے ہیں اس زمانے ان کو مطوّف کہتے تھے۔ آپ نے اپنے مطوف سے پہلے ہی طے کرلیا کہ ہم نے حج کو سنت کے مطابق ادا کرنا ہے لہٰذا تم کوئی ایسی ترتیب نہ بنانا جو سنت کے مطابق نہ ہو۔

منیٰ میں قیام کے دوران صبح صادق سے پہلے ہی مطوف آیا اور شور مچا دیا کہ تیار ہو جاؤ عرفات کے لئے ابھی نکلنا ہے۔ اونٹ والوں نے بھی جلدی جلدی کی رٹ لگانی شروع کردی۔ حضرت سہارنپوریؒ دو خیموں کے بیچ میں تہجد کی نماز میں مصروف قرأت قرآن سے شغل فرما رہے تھے۔ کیا مجال ہے کہ ان کے معمول پر ذرا برابر بھی فرق پڑا ہو۔ طویل قیام اور تعدیل ارکان کے ساتھ تسلی سے اپنی نماز مکمل کی۔ سلام پھیرنے کے بعد مطوف کی طرف متوجہ ہوئے اور غصے سے فرمایا تم نے تو وعدہ کر رکھا تھا کہ سنت کے خلاف کسی کام کیلئے نہ کہو گے پھر طلوع آفتاب سے پہلے چلنے کیلئے کہنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ کہنے لگا میں کیا کروں اونٹ والے نہیں مانتے۔ اور یہ اونٹ لے کر چل دیئے تو حج فوت ہو جائے گا لہٰذا سنت کی خاطر فرض کو خطرے میں ڈالنا تو اچھی بات نہیں ہے۔ اس پر حضرت کا غصہ اور تیز ہوگیا۔ فرمایا ہم نے تمہیں مطوّف مانا ہے کوئی استاد اور پیر تو نہیں بنا لیا۔ جاؤ اپنا کام کرو ہم تو سورج نکلنے سے ایک منٹ پہلے نہیں اٹھیں گے۔ ہم اپنا مال اور اور وقت صرف کر کے اتنی صعوبتوں بھرا سفر کر کے آتے

ہیں تا کہ سنت کے مطابق حج ادا کریں۔تمہارے جمالوں (اونٹ والے) کے غلام بننے نہیں آتے۔ جمالوں کو اپنے اونٹوں پر اختیار ہے وہ ان کو لے جائیں۔ ہمارے اوپر ان کو کوئی اختیار نہیں کہ اٹھنے پر مجبور کریں۔تم نے بے وقت شور مچا کر ہمیں پریشان کیا اور نماز بھی صحیح طریقے سے نہیں پڑھنے دی لہٰذا ہم تمہیں بھی آزاد کرتے ہیں تم اپنے دوسرے حاجیوں کو لے جاؤ اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ ہم کوئی لولے لنگے نہیں عرفات کوئی اتنا دور نہیں ہے،ہم پیدل ہی انشاءاللہ سفر کر لیں گے لیکن سنت کو نہیں چھوڑیں گے۔

تو یہ ہمارے اکابر علمائے دیوبند کی شان تھی کہ کسی حال میں بھی سنت کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔جب دل میں یہ جذبہ ہوگا کہ ہم نے جو علم حاصل کرنا ہے اس پر عمل کرنا ہے اور اپنی زندگی میں سنتوں پر عمل کرنا ہے تو اللہ رب العزت علم کا نور آپ کے سینہ میں ہمیشہ کیلئے عطا فرمادیں گے۔لیکن یاد رکھیں کہ عمل کریں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کریں دنیا کی شہرت کیلئے نہ کریں۔رب کریم اپنی رضا کیلئے ہمیں نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

ایک چھوٹی بچی کی نصیحت

یہ بات یاد رکھیں کہ علماء کیلئے احتیاط کی زندگی گزارنا زیادہ اہم ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک چھوٹی بچی نے نصیحت کی جو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔کسی نے پوچھا،حضرت!کونسی نصیحت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بارش کا موسم تھا میں نماز پڑھنے کیلئے مسجد جا رہا تھا،راستے میں پھسلن تھی سامنے سے ایک چھوٹی سی بچی آرہی تھی، گزرتے ہوئے میں نے اس بچی سے کہا، ذرا احتیاط کرنا کہیں پھسل نہ جانا۔اس نے

آگے سے جواب دیا، حضرت! میں تو احتیاط کروں گی ہی سہی مگر آپ بھی احتیاط کر لینا، کیونکہ اگر میں پھسلی تو میری ذات کو نقصان ہو گا اور اگر آپ پھسل گئے تو پھر امت کا کیا بنے گا؟ ۔ ہمارے لئے بھی یہ بات ایک نصیحت ہے آپ حضرات استقامت کے ساتھ شریعت وسنت پر عمل کریں، اللہ رب العزت اس علم وعمل کے صدقے دنیا وآخرت میں آپ کو عزتیں عطا فرمائیں گے۔

پروردگار عالم آپ سب حضرات کا یہاں آنا اور علم کیلئے کوشش کرنا قبول فرمالے اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمالے۔
(آمین ثم آمین)

وآخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العلمين

ایمان کی عظمت

کلمہ پڑھ لینے سے کام مکمل نہیں ہوتا بلکہ کام کی ابتداء ہوتی ہے۔انسان کلمہ پڑھ کر اسلام کی حدوں میں تو داخل ہو جاتا ہے۔لیکن ایمان کامل پیدا کرنے کیلئے اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔اس کو کہتے ہیں اقرار باللسان و تصدیق بالقلب اور ایمان لانے کے بعد انسان کو انہی دو باتوں کی تلقین کی جاتی ہے ۔اقرار باللسان کا درجہ تو انسان کو کلمہ پڑھتے ہی نصیب ہو جاتا ہے لیکن تصدیق بالقلب میں مراتب ہیں جو جتنے نیک اعمال کرتا ہے وہ اس بات کی اتنی ہی تصدیق کرتا ہے۔

ایمان کی عظمت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

یٰٓاَ یُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم

یٰٓاَ یُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو! اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ یہ ایک عجیب آیت ہے کیونکہ خطاب بھی ایمان والوں کو ہے یہ تو نہیں کہا یایھا الذین کفروا اے کافرو! یہ بھی نہیں کہا یایھا الذین نافقوا اے منافقو! یہ بھی نہیں کہا یایھا الذین اشرکوا، اے مشرکو! بلکہ فرما رہے ہیں یٰٓاَ یُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو! اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ دوسری دفعہ ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے اس کی تفسیر لکھی ہے اس کا مطلب ہے اتقو یعنی تم تقویٰ اختیار کرو۔ ایک دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے زبان سے اقرار کرنے والو! اپنے دل سے بھی اس کی تصدیق کرلو۔

اقرار لسانی اور تصدیق قلبی

دل سے تصدیق کرنا ایک بڑا کام ہے

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا
لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

کلمہ پڑھ لینے سے کام مکمل نہیں ہوتا بلکہ کام کی ابتداء ہوتی ہے۔ انسان کلمہ پڑھ کر اسلام کی حدوں میں تو داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن ایمان کامل پیدا کرنے کیلئے اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کو کہتے ہیں اقرار باللسان و تصدیق بالقلب ۔ اور ایمان لانے کے بعد انسان کو انہی دو باتوں کی تلقین کی جاتی ہے۔ اقرار باللسان کا درجہ تو انسان کو کلمہ پڑھتے ہی نصیب ہو جاتا ہے۔ ہم کلمہ پڑھنے والے جتنے بھی ہیں سب کے سب اقرار باللسان میں سو فیصد شامل ہیں۔ لیکن تصدیق بالقلب میں مراتب ہیں جو جتنے نیک اعمال کرتا ہے وہ اس بات کی اتنی ہی تصدیق کرتا ہے لہٰذا جو کامل مومن ہو گا وہ اعمال کے ذریعے اس کی سو فیصد تصدیق کرے گا اس کا کوئی عمل بھی خلاف شرع نہ ہوگا۔

کردار کے غازی بننے کی ضرورت

قول اور فعل دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ قول سے فعل تک بات پہنچانے کیلئے کچھ کر کے دکھانا پڑتا ہے۔ زبان سے بات کہہ دینا اور چیز ہے اور عمل سے اس کو ثابت کر دینا اور چیز ہے۔ آج یہی چیز تو زیادہ توجہ طلب ہے۔ ہم قال کے تو غازی ہیں مگر اعمال میں شکست کھانے والے ہیں

علامہ اقبالؒ نے اپنے بارے میں کہا:

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

بتانے کا مقصد یہ ہے کہ گفتار کا غازی اور چیز ہے اور کردار کا غازی اور چیز ہے۔ بلکہ علامہ اقبال اسی نظم کے مطلع میں مسلمانوں کی حالت زار پر یوں رقمطراز ہیں۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

ایمان کی نشاندہی

دراصل ایمان کی نشاندہی انسان کے اعمال سے ہوتی ہے۔ جس قدر اعمال میں پختگی ہوتی ہے اسی قدر ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ پھر انسان کا عمل ہی تبلیغ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے خاموش تبلیغ جتنی مؤثر ہے اتنی زبانی تبلیغ مؤثر نہیں ہے

معاملات ہوں تو ایسے

آپ حیران ہوں گے کہ دنیا میں پورا ملک دو صحابہ کرامؓ کے دکان بنا لینے سے مسلمان ہو گیا۔ وہ کیسے؟...... دو صحابہ کرامؓ انڈونیشیا میں گئے وہاں جا کر انہوں نے اپنی دکان بنا لی، وہ دن میں پانچ مرتبہ دکان بند بھی کرتے اور جمعہ کے دن چھٹی بھی کرتے۔ جب وہ دکان سے چلے جاتے تو لوگ ان کے انتظار میں کھڑے رہتے اور قطاریں بھی لگی رہتیں لوگ کہتے کہ ہم نے یہاں معاملات

کی صفائی دیکھی ہے لہٰذا ہم تو سودا انہی سے لیں گے۔ جب طبیعتیں مانوس ہو گئیں تو لوگوں نے ان سے پوچھا، بھئی! کیا بات ہے کہ آپ درمیان میں دکان بند کر کے چلے جاتے ہیں اور لوگ پھر بھی آپ سے سودا لینا پسند کرتے ہیں۔ آپ کو دکانداری کے یہ اصول کس نے بتائے ہیں؟

لوگوں کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے ہمیں تجارت کے یہ اصول بتائے ہیں۔ جب ان لوگوں کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ ہم بھی مسلمان بننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے حتیٰ کہ ان دو صحابہ کرامؓ کی برکت سے پورے ملک کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ سبحان اللہ

غور کیجئے کہ آج کل تو لوگ تقریروں اور خطبوں سے مسلمان نہیں ہوتے مگر صحابہ کرامؓ کی دکانداری سے لوگ مسلمان ہو جاتے تھے۔ یہ ہوتی ہے قول اور فعل میں مطابقت۔

لمحہ فکریہ

آج جو ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ہم ذرا غور کریں کہ کیا ہماری آنکھیں مسلمان بن گئیں؟ اگر یہ مسلمان بن چکی ہیں تو یہ پھر غیر محرم کی طرف نہیں اٹھیں گی۔ اگر غیر محرم کی طرف اٹھ جاتی ہیں تو ابھی مسلمان نہیں بنیں۔ کیا یہ زبان مسلمان بن چکی ہے؟ اگر بن گئی ہے تو اس سے جھوٹ اور غیبت نہیں نکل سکتی اور اگر نکلتی ہے تو پھر ابھی مسلمان نہیں بنی۔ کیا ہمارے کان مسلمان بن گئے؟ اگر یہ بن چکے ہیں تو پھر اب خلافِ شرع باتیں نہیں سن سکتے۔ اگر سنتے ہیں تو پھر ابھی نہیں بنے۔ کیا ہماری شرمگاہ مسلمان بن چکی ہے؟ اگر یہ مسلمان

بن چکی ہے تو پھر اس سے خطا نہیں ہو سکتی۔ اگر خطا ہو جاتی ہے تو پھر ابھی مسلمان نہیں بنی۔ ہم اپنے ہر ہر عضو کے بارے میں سوچیں کہ ہم نے اپنے کس کس عضو کو مسلمان بنا لیا ہے اگر ہر ہر عضو گناہوں میں لتھڑا ہوا نظر آتا ہے تو سوچئے کہ مسلمانی کس چیز کا نام ہے۔ جب یہ اعضاء انفرادی طور پر ابھی مسلمان نہیں بنے تو ہم اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں کیسے مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایمان کا مقام

دل ایمان کا محل ہے جو کہ ایمان سے بھرتا ہے۔ یہ بہت بڑی دولت ہے حتیٰ کہ انسان کے پاس اس کی جان سے بھی زیادہ قیمتی دولت اس کا ایمان ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں ایمان کی اتنی قیمت ہے کہ اگر ساری دنیا کافروں سے بھر جائے تو وہ ایک مؤمن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ قیامت کے دن ایک آدمی ننانوے دفتر گناہوں کے لے کر آئے گا اور اس کے مقابلے میں ایک فرشتے کے پاس ایک چھوٹی سی پرچی ہو گی۔ فرشتہ اس پرچی کو نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا۔ کاغذ کا وہ پرزہ اس کے گناہوں کے ننانوے دفتروں سے بھاری ہو جائے گا۔ وہ پوچھے گا، یا اللہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ اللہ رب العزت فرمائے گا کہ یہ تیرا ایمان ہے، اس ایمان کے مقابلہ میں زمین و آسمان کو رکھ دیا جائے تو بھی ایمان بھاری ہو گا۔ ہمیں بھی یہ چیز اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ہمارا ایمان ہماری اصل دولت اور خزانہ ہے۔ کیونکہ جب انسان کو کسی چیز کی اہمیت کا پتہ نہیں ہوتا تو وہ اسے آسانی سے گنوا دیتا ہے۔ مثلاً ڈاکو ڈاکہ

ڈال لیتے ہیں اور بندے کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

ایک دلچسپ حکایت

شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت لکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں چھوٹا سا تھا تو میری والدہ نے مجھے سونے کی انگوٹھی بنوا کر دی۔ میں انگوٹھی پہن کر باہر نکلا تو مجھے ایک ٹھگ مل گیا۔ اس کے پاس گڑ کی ڈلی تھی۔ اس نے مجھے بلایا اور کہا کہ یہ چکھو۔ میں نے گڑ کو چکھا تو میٹھا لگا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ اب اپنی انگوٹھی کو چکھو۔ جب میں نے اپنی انگوٹھی کو چکھا تو کچھ لذت محسوس نہ ہوئی۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ یہ بے لذت چیز دے دو اور لذت والی چیز لے لو۔ میں نے اس کی باتوں میں آ کر اسے سونے کی انگوٹھی دے دی اور گڑ کی ڈلی لے لی۔

ایمان اور مشاہدہ میں فرق

یہ عاجز اس بات کو سمجھانے کی خاطر آپ حضرات سے ایک سوال پوچھتا ہے آپ اس کا جواب دیجئے گا۔ کیا آپ حضرات کا ایمان ہے کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے؟ (سامعین نے بیک زبان ہو کر کہا، جی ہاں) سب حضرات فرما رہے ہیں، جی ہاں۔ حالانکہ یہ جواب غلط ہے۔ سوال یہ تھا کہ کیا آپ کا ایمان ہے کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے اور آپ دیکھ کر فرما رہے ہیں، جی ہاں۔ میرے بھائی! دیکھ کر کہنا تو مشاہدہ کہلاتا ہے، لہٰذا یہ ایمان نہیں ہے۔ اگر یہ عاجز یہ سوال کرتا کہ کیا آپ کا ایمان ہے کہ میری جیب میں قلم ہے اور آپ مجھ پر یقین کرتے ہوئے کہ منبر پر بیٹھ کر کیوں جھوٹ بولیں گے تصدیق کر دیتے تو پھر یہ ایمان ہوتا لہٰذا اب تو یہ مشاہدہ ہے۔ ایمان اور مشاہدہ کے درمیان فرق کرنے

کی ضرورت ہے۔ دیکھنا کچھ اور چیز ہے اور بن دیکھے کسی پر اعتماد کر کے کچھ مان لینا اور چیز ہے۔ ایمان یہ ہے کہ ہم نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر اعتماد کرتے ہوئے ہر اس چیز کو تسلیم کر لیا جو وہ اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے۔ یہ بن دیکھا سودا ہے جب دیکھ لیں گے تو پھر اس کی قیمت نہیں رہے گی۔

ایک سبق آموز حکایت

کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے اس سے آپ کو بات ذرا جلدی سمجھ آ جائے گی۔ ہارون الرشید کے زمانے میں بہلول دانا نامی ایک بزرگ گزرے ہیں وہ مجذوب اور صاحب حال تھے۔ ہارون الرشید ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون بھی ایک نیک اور پارسا عورت تھی۔ اس نے اپنے محل میں ایک ہزار ایسی خادمائیں رکھی ہوئی تھیں جو قرآن کی حافظہ اور قاریہ تھیں۔ اب سب کی ڈیوٹیاں مختلف شفٹوں میں لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس کے محل میں چوبیس گھنٹے ان بچیوں کے قرآن پڑھنے کی آواز آرہی ہوتی تھی۔ اس کا محل قرآن کا گلشن محسوس ہوتا تھا۔

ایک دن ہارون الرشید اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہا تھا کہ ایک جگہ بہلول داناؒ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا، السلام علیکم بہلول داناؒ نے جواب میں کہا، وعلیکم السلام۔ ہارون الرشید نے کہا، بہلول! کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں ریت کے گھر بنا رہا ہوں۔ پوچھا، کس لئے بنا رہے ہو ؟ بہلولؒ نے جواب دیا کہ جو آدمی اس کو خریدے گا میں اس کیلئے دعا کروں گا کہ اللہ رب العزت اس کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرما دے، بادشاہ نے پوچھا، بہلول! اس گھر کی قیمت کیا ہے ؟ انہوں نے کہا کہ ایک

دینار۔ ہارون الرشید سمجھا کہ یہ ایک دیوانے کی بڑ ہے لہٰذا وہ آگے چلا گیا۔

اس کے پیچھے زبیدہ خاتون آئیں۔ اس نے بہلولؒ کو سلام کیا۔ پھر پوچھا، بہلول! کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا، میں گھر بنا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا، کس لئے گھر بنا رہے ہو؟ بہلول نے کہا کہ جو آدمی اس گھر کو خریدے گا میں اس کیلئے دعا کروں گا کہ یا اللہ! اس کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرما دے۔ اس نے پوچھا، بہلول! اس گھر کی کیا قیمت ہے؟ بہلول نے کہا، ایک دینار۔ زبیدہ خاتون نے ایک دینار نکال کر اس کو دے دیا اور کہا کہ میرے لئے دعا کر دینا۔ وہ دعا کروا کر چلی گئی۔

رات کو جب ہارون الرشید سویا تو اس نے خواب میں جنت کے مناظر دیکھے۔ آبشاریں، مرغزاریں اور پھل پھول دیکھنے کے علاوہ بڑے اونچے اونچے خوبصورت محلات بھی دیکھے۔ ایک سرخ یاقوت کے بنے ہوئے محل پر اس نے زبیدہ کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ ہارون الرشید نے سوچا کہ میں دیکھوں تو سہی کیونکہ یہ میری بیوی کا گھر ہے۔ وہ محل میں داخل ہونے کے لئے جیسے ہی دروازے پر پہنچا تو ایک دربان نے اسے روک لیا۔ ہارون الرشید کہنے لگا، اس پر تو میری بیوی کا نام لکھا ہوا ہے اس لئے میں نے اندر جانا ہے۔ اس نے کہا، نہیں، یہاں کا دستور الگ ہے جس کا نام ہوتا ہے اسی کو اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے، کسی اور کو اجازت نہیں ہوتی، لہٰذا آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جب دربان نے ہارون الرشید کو پیچھے ہٹایا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے بیدار ہونے پر فوراً خیال آیا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ بہلول کی دعا زبیدہ کے حق میں اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو گئی۔ پھر اسے اپنے آپ پر افسوس ہوا کہ میں

بھی اپنے لئے ایک گھر خرید لیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ وہ ساری رات اسی افسوس میں کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح ہوئی تو اس نے دل میں سوچا کہ آج پھر میں ضرور دریا کے کنارے جاؤں گا۔ اگر آج مجھے بہلول ملے تو میں بھی ایک مکان ضرور خرید وں گا۔

چنانچہ شام کو پھر بیوی کو لے کر چل پڑا۔ وہ بہلول کو تلاش کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بہلول بیٹھا اسی طرح کے مکان بنا رہا تھا۔ اس نے کہا، السلام علیکم! بہلول نے جواب میں وعلیکم السلام کہا۔ ہارون الرشید نے پوچھا، کیا کر رہے ہو؟ بہلول نے کہا، میں گھر بنا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا، کس لئے؟ بہلول نے کہا، جو آدمی یہ گھر خریدے گا میں اس کے لئے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے جنت میں گھر عطا کردے۔ ہارون الرشید نے پوچھا، بہلول! اس کی قیمت کیا ہے؟ بہلول نے کہا، اس کی قیمت پوری دنیا کی بادشاہی ہے۔ ہارون الرشید نے کہا، اتنی قیمت تو میں دے بھی نہیں سکتا۔ کل تو ایک دینار کے بدلے دے رہے تھے اور آج پوری دنیا کی بادشاہی مانگتے ہو۔ بہلول نے کہا، بادشاہ سلامت! کل بن دیکھے معاملہ تھا اور آج دیکھا ہوا معاملہ ہے۔ کل بن دیکھا سودا تھا اس لئے سستا مل رہا تھا اور آج چونکہ دیکھ کے آئے ہو اس لئے اب اس کی قیمت زیادہ دینی پڑے گی۔

ہماری مثال ایسے ہی ہے کہ آج ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بن دیکھے مانا ہے اس لئے جنت بڑی سستی ہے۔ لیکن جب موت کے وقت آخرت کی نشانیاں دیکھ لیں گے تو اس کے بعد پھر اس کی قیمت ادا نہیں کر سکیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمَئِذٍ بِبَنِيْهِ ۝ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ۝ وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُؤْوِيْهِ ۝ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ (المعارج:۱۱تا۱۴)

روز محشر مجرم یہ تمنا کرے گا کہ کاش! میں اپنی سزا کے بدلے میں اپنا بیٹے دے دیتا، بیوی دے دیتا، خاندان والے دے دیتا، حتیٰ کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب دے دیتا اور میں جہنم سے بچ جاتا۔ فرمایا، کلا ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

سب سے زیادہ عجیب ایمان

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک مرتبہ جہاد سے واپس تشریف لاتے ہوئے دریا کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ آپ اپنی ضرورت سے فارغ ہوئے اور آپ نے اسی وقت تیمّم فرمالیا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام! وہ سامنے پانی ہے۔ فرمایا، ہاں، کیا معلوم کہ یہاں سے وہاں جانے تک میری زندگی ساتھ دے گی یا نہیں دے گی۔ اس لئے میں نے احتیاطاً تیمّم کرلیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے جا کر وضو فرمایا اور نماز ادا کی۔

اس کے بعد صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، اے میرے صحابہؓ! یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ عجیب ایمان کن کا ہے؟ صحابہؓ نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! سب سے زیادہ عجیب ایمان فرشتوں کا ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، نہیں۔ فرشتے کیسے ایمان نہیں لائیں گے، وہ تو نور سے بنے ہیں، عرش کے اوپر کے جہان کو دیکھتے ہیں اور وہ اللہ کی معصیت کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم:۶) لہٰذا ان کا ایمان

تو اتنا عجیب نہیں ہے۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! پھر انبیائے کرامؑ کا ایمان بڑا عجیب ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، نہیں، اس لئے کہ انبیائے کرامؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اترتی ہے انہیں معجزات ملتے ہیں۔ اگر انبیائے کرام ہی ایمان نہیں لائیں گے تو اور کون ایمان لائے گا۔

صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر ان کا ایمان بھی اتنا عجیب نہیں ہے تو پھر ہمارا ایمان عجیب ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، نہیں۔ تمہارا ایمان بھی اتنا عجیب نہیں ہے کیونکہ تم نے میرا دیدار کیا ہے، تم نے جبرائیلؑ کو اترتے دیکھا ہے اور تمہارے سامنے قرآن آیا ہے، جب تم نے اتنی نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کا بھی مشاہدہ کر لیا تو پھر تمہارا ایمان بھی اتنا عجیب نہیں ہے۔

اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، میرے صحابہؓ! میرے بعد میری امت کے کچھ لوگ آئیں گے، وہ میرے پردہ فرما جانے کے سینکڑوں سال بعد پیدا ہوں گے، وہ لوگ ایسے وقت میں آئیں گے جب نہ تو وہ میرا دیدار کریں گے، نہ وہ قرآن کو اترتے دیکھیں گے اور نہ فرشتوں کو اترتے دیکھیں گے، مزید برآں ہر طرف فتنے ہوں گے شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں گے لیکن جب علماء ان کے سامنے میری باتوں کو پیش کریں گے تو وہ میری محبت میں اس بات کو بن دیکھے مان لیں گے، ان لوگوں کا ایمان اللہ رب العزت کے ہاں بڑا ہی

عجیب ہوگا۔

استقامت کی اہمیت

یقیناً یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کو بن دیکھے مانا ہے۔ اس مشکوٰۃ نبوت کو فروزاں ہوئے چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ آج چاروں طرف فتنے ہیں، ظلمت ہے، فساد ہے، ہر طرف لوگ ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور آج سیدھے راستے سے ہٹانے کے لئے لوگ موجود ہیں۔ اس وقت جو ایمان کے اوپر جمارہے وہ اللہ رب العزت کے ہاں بڑا درجے والا ہے۔

زندگی گزارنے کے دو طریقے

زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ نظر کی زندگی گزارنا، یعنی جو کچھ آنکھ دیکھتی ہے اس کو مان لینا مثلاً آنکھ دیکھتی ہے کہ رشوت لینے میں فائدہ ہے، پیسہ آرہا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے کہ دھوکہ دے کر مال کماؤ، منافع زیادہ ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے کہ ملاوٹ کرلیں تو زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ یعنی آنکھ دیکھتی ہے کہ ان کاموں میں زیادہ فائدہ ہے اب جو بندہ اس پر عمل کرے گا وہ گویا مشاہدہ اور نظر کی زندگی گزارنے والا ہوگا اور دوسرا طریقہ ہے خبر کی زندگی گزارنا۔ مثلاً ایک آدمی اللہ رب العزت کے حکموں کو دیکھتا ہے، کہ ملاوٹ کرنے سے منع فرمادیا گیا ہے اس لئے نقصان کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ رشوت لینا گناہ ہے لہٰذا وہ پیچھے رک جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کو دھوکہ دے کر مال حاصل کرنا گناہ ہے لہٰذا وہ پھر بھی پیچھے ہٹ جاتا

ہے۔اس کوایمان والی زندگی بھی کہتے ہیں۔

بالفاظ دیگر خبر کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے جو دین ملا اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کر لیا جائے اور جو آدمی اپنی آنکھ سے دیکھتا پھرتا ہے شرعی یا غیر شرعی ہر طریقے سے فائدے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے وہ نظر کی زندگی گزارنے والا ہے۔ یاد رکھنا کہ ہماری کامیابی خبر کی زندگی گزارنے میں ہے نظر کی زندگی گزارنے میں نہیں ہے۔ مثالوں سے بات واضح کرنے کی کوشش کی۔

پہلی مثال

جادوگروں سے مقابلے کے دوران سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے چاروں طرف سانپ موجود ہیں۔آپ کے ہاتھ میں فقط عصا ہے۔اگر ایسی حالت میں عقل سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہیے تو عقل کہے گی کہ اپنی لاٹھی کو مضبوطی سے پکڑیں اور جو سانپ آپ کے قریب آئے یہ لاٹھی اس کے سر پہ ماریں اور اسے کچل کر رکھ دیں۔اس طرح آپ بچ جائیں گے مگر لاٹھی کو ہاتھ سے مت چھوڑنا، اگر چھوڑ بیٹھے تو امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا۔اوپر پروردگار سے پوچھیں کہ اس حالت میں مجھے کیا کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے، اے میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام! اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ آپ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیجئے۔اب عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے اور کہتی ہے کہ نہیں نہیں، لاٹھی کو زمین پہ نہ ڈالنا ورنہ تمہاری امید کی آخری کرن بھی ختم ہو جائے گی۔مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کے پیغمبر تھے، لہٰذا انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا جو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو زمین

پر ڈالا وہ عصا اژدھا بن گیا اس نے سب سانپوں کو کھا لیا اور اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب فرما دیا۔

دوسری مثال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کی فوج ظفر موج ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ نے دیکھا تو کہا قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰۤی اِنَّا لَمُدۡرَکُوۡنَ (الشعراء:۶۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ نے کہا کہ اب تو ہم پکڑے گئے۔ قَالَ کَلَّا فرمایا ہرگز نہیں۔ ایک یقین بھری آواز اٹھی اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔

اب ایسے موقع پر عقل سے پوچھیں کہ بندے کو کیا کرنا چاہئے۔ عقل کہے گی کہ آگے پانی کا دریا ہے اور پیچھے انسانوں کا دریا ہے اور تم دونوں کے درمیان میں ہو۔ تمہارے ہاتھ میں صرف لاٹھی ہے تم اسے مضبوطی سے پکڑنا اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا، ہوسکتا ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے پوچھئے کہ رب کریم! ان حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اے میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام! اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡبَحۡرَ آپ اس لاٹھی کو پانی پر ماریئے۔ عقل چیختی ہے چلاتی ہے، شور مچاتی ہے اور کہتی ہے کہ پانی پر لاٹھی مارو گے تو کیا بنے گا، اگر لاٹھی مارنی ہی ہے تو فرعون کے سر پہ مارو، پانی پہ مارنے سے کیا ملے گا؟ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہی کام کیا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا کو پانی پر مارا تو بارہ راستے بن گئے۔ اللہ رب العزت نے ان کو کامیاب فرما دیا اور فرعون اور اس

کی قوم کو دریا میں غرق فرما دیا۔

تیسری مثال

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریا سے آگے وادیٔ تیہہ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پانی نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لوگ پانی نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوئے اور کہنے لگے، حضرت! یہاں تو پانی بھی نہیں ہے، کیا کریں؟ اس موقع پر عقل سے پوچھیں تو عقل کہتی ہے کہ آپ کے پاس اس وقت اور تو کوئی ہتھیار نہیں ہے، صرف ایک لاٹھی ہے لہٰذا آپ اس لاٹھی کی مدد سے ایک گڑھا کھودیں، ہوسکتا ہے کہ اس گڑھے میں سے پانی نکل آئے، لیکن ذرا آہستہ آہستہ احتیاط سے کھودنا تاکہ کہیں لاٹھی ٹوٹ نہ جائے، اگر لاٹھی ٹوٹ گئی تو امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے پوچھئے کہ یا اللہ! اب کیا کرنا چاہئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے پیارے نبی علیہ السلام! اَنْ اضْرِبْ بِعَصَاکَ الْحَجَرَ آپ پتھر پر لاٹھی ماریئے۔ جب عقل سنتی ہے کہ پتھر پر لاٹھی ماریئے تو عقل پھر حیران ہو کر کہتی ہے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ پتھر پر ماریں گے تو لاٹھی بھی ٹوٹ جائے گی اور امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام نے وہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ لہٰذا جب پتھر پر مارا تو پتھر میں سے چشمے جاری ہو گئے اور اللہ رب العزت نے ان کو کامیاب فرما دیا۔ ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نظر کے راستے پر چلنے والے ناکام ہوتے ہیں جب کہ خبر کے راستے پر زندگی گزارنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکموں کے ساتھ چمٹ جائیں

کفار نظر کے راستے پر عمل کرنے والے ہیں اور مومن مسلمان خبر کے راستے پر عمل کرنے والے ہیں۔اس لئے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیجئے کہ ہم نے دنیا کے فائدوں کو نہیں دیکھنا بلکہ ہم نے اللہ رب العزت کے حکموں کو دیکھنا ہے۔ہمیں جو مرضی سامنے نظر آئے حتیٰ کہ بہت سے فائدے بھی نظر آئیں تو ہم ان کو ٹھوکر لگا کر اللہ کے حکموں کے ساتھ چمٹ جائیں گے۔

انسان اور آزمائش

اللہ رب العزت کی طرف سے اس دنیا میں ہر انسان پر آزمائشیں آتی ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ خبر کے راستے پر زندگی گزارنے والوں کو ہمیشہ کامیاب فرما دیتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَایُفْتَنُوْنَ (العنکبوت:۲) کیا انسانوں نے یہ گمان کیا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اگر وہ کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے،اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ تحقیق ہم نے آزمایا ان سے پہلے والوں کو بھی فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ اور اللہ تعالیٰ کھرے اور کھوٹے کو پہچان کر رہے گا۔لہٰذا انسان یہ گمان نہ کرے کہ ہم ایمان لے آئے اور اب ہمیں آزمایا نہیں جائے گا اور بس اتنی ہی بات کافی ہو جائے گی۔ناں ناں ناں، بلکہ اللہ تعالیٰ آزمائیں گے،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۵)

ہم ان کو مختلف طریقوں سے آزمائیں گے اور جوان تمام آزمائشوں میں کامیابی پائیں گے ان کو آپ بشارت سنا دیجئے۔ ثابت یہ ہوا کہ اللہ رب العزت بغیر آزمائے کسی کے ایمان کو قبول نہیں کریں گے۔

ہر حال آزمائش کا حال

اللہ رب العزت ہر انسان کو آزماتے ہیں۔ جس کے پاس پیسہ وافر ہے، پیسہ اس کے لئے آزمائش ہے۔ جو غریب ہے اس کے لئے غربت آزمائش ہے، جس کو صحت ملی ہے اس کے لئے صحت آزمائش ہے، جو بیمار ہے اس کے لئے بیماری آزمائش ہے۔ اللہ رب العزت ہر آدمی کو مختلف حالات میں رکھتے ہیں اور جس حالت میں اس کو رکھا جاتا ہے وہ اس حال میں آزمایا جارہا ہوتا ہے تاکہ پتہ چلے کہ وہ واقعی دل سے ایمان لانے والوں میں سے ہے یا نہیں۔ جو اچھے حال میں ہو اسے چاہئے کہ شکر ادا کرے جو برے حال میں ہو اسے چاہئے کہ صبر کرے۔ شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی ہوگا۔

ادلتے بدلتے دن

اللہ تعالیٰ انسان کو ہمیشہ ایک ہی حال میں نہیں رکھتے بلکہ وَ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ (آل عمران:۱۴۰) اور ہم انسانوں کے درمیان دنوں کو پھیرتے رہتے ہیں۔ آج جس گھر میں خوشیاں منائی جارہی ہوتی ہیں کل اسی گھر میں رونا پیٹنا ہو رہا ہوتا ہے۔ جو آج جوانی کے نشے میں مخمور ہوتا ہے کل وہی بستر علالت پر صاحب فراش ہوتا ہے۔

خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتی ہے شہنائیاں وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

آزمائش میں ڈالنے کا مقصد

یاد رکھنا! آج اگر ہم نے برتن خریدنے ہوں تو ان کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ایمان کے معاملے میں بندے کو ٹھونک بجا کے دیکھتے ہیں اور بندے کے ایمان کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔ جو کچے یقین والے ہوتے ہیں وہ پیچھے بھاگ جاتے ہیں اور فقط وہی جمے رہتے ہیں جن کا ایمان بہت مضبوط ہوتا ہے۔

ایمان کا امتحان

آزمائشیں اللہ والوں پر بھی آیا کرتی ہیں۔ پہلے زمانے میں بھی آزمائشیں تھیں اور آج کے زمانے میں بھی آزمائشیں ہیں۔ اوپر سے بارش بند ہے، نیچے سے چشمے بند ہیں اور درختوں پہ پھل نہیں ہیں۔ ایسے میں اللہ پہ یقین کیسے رکھنا۔ دوسری طرف سے امدادوں کی بھرمار لگی ہوئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ جلدی آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کے دفتر سے نام کٹوا کر ہمارے دفتر میں لکھواؤ۔ ایمان کا یہاں پر مظاہرہ کرنا ہے اور کہنا ہے کہ نہیں ہم نے اللہ کو اپنا پروردگار مانا ہے۔ اس لئے ہم اپنے ایمان سے ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہے ایمان کا امتحان۔ ہر دور اور ہر زمانے میں امتحان کے مختلف طریقے ہوا کرتے ہیں۔ ایک طرف بھوک پیاس نظر آ رہی ہے اور دوسری طرف مال دنیا دکھایا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ آؤ اور ہماری دعوت کو قبول کرلو۔ ہم خزانوں کے منہ کھول دیں گے۔ اب فیصلہ یہ ہونا ہے کہ یہاں پر اللہ کا بندہ کون ہے اور دنیا کا بندہ کون ہے۔ یاد رکھنا کہ ہمارا پروردگار اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو

چالیس سال تک بغیر کسی محنت کے من وسلویٰ عطا کر سکتا ہے تو وہ پروردگار ہمیں بھی رزق عطا فرما سکتا ہے۔ اس لئے ہم اس کے خزانوں پر یقین رکھتے ہیں اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ یہ ہماری بداعمالیاں ہیں جنہوں نے رزق کے دروازوں کو بند کیا ہوا ہے۔

رزق کے دروازے بند ہونے کی اصل وجہ

انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق کے دروازوں کو بند کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ:۱۲۴) جو اللہ کی یاد سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں۔ اگر ہم گناہ کرنا چھوڑ دیں تو پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی کتنی بہتات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ (الاعراف:۹۶) اگر یہ بستی دیسوں والے ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ اللہ ان کو وہ نعمتیں کھلاتا جو اوپر سے اترتی ہیں اور وہ نعمتیں بھی کھلاتا جو پاؤں کے نیچے (زمین) سے نکلتی ہیں۔

آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیجئے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ہر بندے کو آزمائیں گے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو جائے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے

رہیں۔ ہم کمزور ہیں، آزمائش کے قابل نہیں ہیں لیکن اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش آ جائے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پروردگار جو بوجھ سر پر رکھتا ہے پھر اسے اٹھانے کی توفیق بھی عطا فرما دیتا ہے۔ **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** اللہ تعالیٰ کسی کی ہمت سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ کیا ہم ایک بچے کے اوپر ایک من کا بوجھ کبھی ڈالیں گے؟ نہیں ڈالیں گے ناں۔ بلکہ کسی بچے کو کچھ وزن اٹھوانا بھی ہو تو پہلے دیکھیں گے کہ یہ بچہ اتنا وزن اٹھا بھی سکے گا یا نہیں۔ جب ہم جیسے لوگ بھی اس بات کو دیکھتے ہیں کہ اتنا بوجھ بچے پر ڈالنا مناسب نہیں تو اللہ رب العزت بھی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ سر پر بوجھ بعد میں ڈالتے ہیں اور اسے اٹھانے کی ہمت پہلے دے دیتے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی آزمائش آ بھی جائے تو اسے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیجئے۔ اور دل میں کہئے

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ یہ تیری دی ہوئی چیز ہے

اس لئے آزمائش پہ ثابت قدم رہئے۔ یہ امتحان پہلے بھی ہوئے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا ایمان افروز واقعہ

آپ کو ایک ایمان افروز واقعہ سناتا ہوں، اسے توجہ سے سنئے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ اَرْضِعِيْهِ** اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو کہ تو اپنے بچے کو دودھ پلاؤ۔ **فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ** اور اگر تمہیں اس کے بارے میں ڈر لگے کہ فرعون کے فوجی اس کو قتل نہ کر دیں تو

فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ تو تم اسے پانی میں ڈال دینا اور آگے فرمایا یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ اس کو جو پکڑے گا وہ میرا بھی دشمن ہوگا اور اس کا بھی دشمن ہوگا۔ اور ساتھ تسلی بھی دیتے ہیں کہ وَلَا تَخَافِیْ ڈرنا بھی نہیں ہے۔ وَلَا تَحْزَنِیْ اور غمزدہ بھی نہیں ہونا۔ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ ہم اسے تیرے پاس لوٹائیں گے۔ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (القصص:۷) اور ہم نے تو اسے رسولوں میں سے بنایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں ایک عورت تھیں۔ وہ ذہن میں سوچ سکتی تھیں کہ اے اللہ! اگر آپ نے اس کو رسولوں میں سے بنایا ہے تو فرعون کا کوئی فوجی ادھر آ ہی نہ سکے، یا اے اللہ! میں اسے کسی غار میں رکھ آتی ہوں اور ادھر کوئی جا ہی نہ سکے، یا میں اسے گھر کی چھت پر رکھ دیتی ہوں، تاکہ بچہ محفوظ رہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بچے کو پانی میں ڈالنا۔ عقل کہتی ہے کہ پانی میں بچہ ڈوب جائے گا۔ اچھا، اس کو صندوق میں ڈالتی ہوں، صندوق میں ڈالے گی تو اس کے اندر پانی بھر جائے گا، اگر سارے سوراخ بند کریں تو ہوا کے اندر نہ جانے کی وجہ سے آکسیجن نہیں مل سکے گی۔ جس کی وجہ سے بچہ مر جائے گا۔ عقل یہ کہتی ہے کہ یا تو یہ پانی کی وجہ سے مرے گا یا ہوا نہ ہونے کی وجہ سے مرے گا۔ تیرا بچہ باقی نہیں بچے گا۔ لیکن اس عورت نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسہ کیا اور اپنے جگر گوشہ کو دریا کے اندر ڈال دیا اور واپس آ گئی۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ فرعون اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ چار سو غلام اس کے آگے پیچھے اور ارد گرد تھے۔ انہوں نے جب صندوق کو دیکھا تو اٹھا لیا اور فرعون کے سامنے پیش کر دیا۔ جب صندوق کھولا

گیا تو اس میں بچے کو پایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ اے پیارے موسیٰ علیہ السلام! ہم نے آپ کے چہرے پر محبت کی تجلی ڈال دی تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ اقدس کو زیبائی عطا کر کے ایسا دلکش بنا دیا تھا کہ جو بھی دیکھتا وہ دل دے بیٹھتا۔ چنانچہ جیسے ہی فرعون کی بیوی نے دیکھا تو کہنے لگی، لَا تَقْتُلُوْهُ تم نے اسے قتل نہیں کرنا عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یا یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں گے۔ بیوی کی بات سن کر فرعون نے سوچا کہ جب ہم اسے بیٹے کی طرح پالیں گے تو پھر یہ تو ہماری حکومت ہم سے نہیں چھینے گا۔ کیونکہ ہمارا ممنونِ احسان ہوگا۔ اس نے کہا ہے ٹھیک ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ اس کی عقل نے اسے دھوکہ دے دیا۔ ہزاروں بچوں کو قتل کروانے والا کتنے آرام سے دھوکہ کھا رہا ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ فرعون کی بیوی نے جب یہ سنا تو وہ خوش ہوگئی اور کہنے لگی قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ فرعون نے اس کے جواب میں کہا قُرَّتُ عَيْنٍ لَكَ یہ تیری آنکھوں کی تو ٹھنڈک ہے لَا حَاجَةَ لِيْ لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب فرعون کی بیوی نے قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ کہا تھا اس وقت اگر فرعون بدبخت صرف ہاں کر دیتا تو اس ہاں کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایمان لانے کی توفیق نصیب فرما دیتا۔

چونکہ فرعون کی بیوی (حضرت آسیہؓ) خوش ہوئی تھیں اس لئے فرعون نے اس خوشی کی وجہ سے پر وہاں پر موجود چار سو غلاموں کو آزاد کر دیا۔ تفسیر میں ایک عجیب نکتہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی بچپن میں تھے، مگر جب وہاں پہنچے تو

چار سو غلاموں کی آزادی کا سبب بن گئے۔ اسی طرح اللہ والے جس آبادی میں چلے جاتے ہیں اس آبادی کے لئے نفس اور شیطان کی غلامی سے آزادی پانے کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محل میں لے جایا گیا تو انہیں دودھ پلانے کے بارے میں فکر ہونے لگی۔ عورتوں نے انہیں دودھ پلانا چاہا مگر انہوں نے دودھ نہ پیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ اور ہم نے ان پر دوسری عورتوں کا دودھ حرام فرما دیا تھا۔ فرعون بڑا پریشان ہوا کہ بچہ دودھ نہیں پیتا۔ اس نے کہا، کچھ اور عورتوں کو بلاؤ۔ چنانچہ کئی عورتوں کو بلایا گیا۔ لیکن بچے نے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔ فرعون اور زیادہ پریشان ہوا۔ اسی حال میں رات گزر گئی۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بہت ہی زیادہ پریشان حال تھیں۔ دکھ اور غم کے ساتھ صبح کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَا اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا اگر ہم اس کے دل پر گرہ نہ دے دیتے اس کے دل کو سکون نہ دے دیتے تو وہ اپنا راز کھول ہی بیٹھتی۔ یعنی وہ رو پڑتی اور لوگوں کو پتہ چل جاتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو ربط قلوب عطا فرما دیا۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا کہ جاؤ اور اپنے بھائی کا پتہ کر کے آؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھاگی گئی۔ اس نے فرعون کے محل میں جا کر دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گود میں لیٹے ہوئے ہیں، عورتیں ان کو دودھ پلانے کی کوشش کر رہی ہیں اور وہ دودھ نہیں پی رہے اور فرعون بہت پریشان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے فرعون سے کہا، هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى

اَھْلِ بَیْتٍ یَّکْفُلُوْنَہٗ لَکُمْ وَ ھُمْ لَہٗ نَاصِحُوْنَ o کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کے بارے میں نہ بتاؤں کہ جو اس بچے کو دودھ پلائیں گے۔ وہ اس کی اچھی پرورش کریں گے اور اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے۔ جب اس نے یہ کہا کہ وہ اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے تو فرعون کو بات کھٹک گئی۔ چنانچہ وہ کہنے لگا، اچھا۔ کیوں خیر خواہ ہوں گے؟ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی اس لئے نہایت سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی کہ ہم آپ کی رعایا ہیں، اگر ہم ہی خیر خواہی نہیں کریں گے تو پھر آپ کی خیر خواہی کون کرے گا؟ فرعون کہنے لگا، ہاں بات تو ٹھیک ہے، اچھا، جاؤ جس کو چاہو بلا کر لاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن دوڑتی ہوئی گھر آئی اور کہنے لگی، امی! چلیں، بھائی دودھ نہیں پی رہا۔ چنانچہ آپ کی والدہ آئیں، انہوں نے دودھ پلانا شروع کر دیا اور بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون بہت خوش ہوا کہ چلو پریشانی ختم ہوگئی۔

دو تین دن تو اس نے محل ہی میں دودھ پلایا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں تو اپنے گھر میں جا کر رہوں گی۔ مجھ سے تو محل میں نہیں رہا جاتا۔ فرعون کہنے لگا، اچھا۔ پھر تم اس بچے کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ اپنے گھر جا کر تم اس کو دودھ پلاتی رہنا۔ میں نے خزانے سے تمہاری تنخواہ مقرر کر دی ہے۔ لہٰذا میں ہر مہینے تمہاری تنخواہ بھیج دیا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ فَرَدَدْنٰہُ اِلٰی اُمِّہٖ ہم نے اسے لوٹا دیا اس کی ماں کے پاس کَیْ تَقَرَّ عَیْنُھَا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ وَلَا تَحْزَنَ اور وہ غمزدہ نہ ہو۔ وَلِتَعْلَمَ اور وہ جان لے اَنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ هُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

دوگنا انعام

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حضرت موسیٰ ﷺ کی والدہ کی طرح اللہ کے وعدے پر بھروسہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا انعام دیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! دوگنا انعام کیسا؟ فرمایا، حضرت موسیٰ ﷺ کی ماں کو دیکھو کہ وہ اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلاتی تھی اور اسے خزانے سے تنخواہ بھی ملا کرتی تھی۔

ایمان کی حفاظت

ہمیں اللہ رب العزت کی ذات پر مکمل بھروسہ ہونا چاہئے۔ ہم یوں ہو جائیں جیسے ہمارے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ حتیٰ کہ کوئی ہمیں سولی پر چڑھا دے یا کوئی زندہ حالت میں ہمارے جسم سے کھال اتارنے کی کوشش کرے، ہم پھر بھی دل میں ایمان کو مضبوط رکھیں۔ ہم یہ کہیں کہ تو ہمارے جسم سے جان تو نکال سکتا ہے لیکن ہمارے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتا۔

اللہ والوں کی استقامت

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں دو مسلمان کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ جب کافر لوگوں نے دیکھا تو انہوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ بجائے اس کے کہ آپ ان کو قتل کریں یا کوئی اور سزا دیں۔ آپ ان لوگوں کو اس طرح قائل کریں کہ یہ آپ کے دین کو اختیار کر لیں۔ کیونکہ ان کے چہروں سے ایسی

بہادری ٹپکتی ہے کہ آپ کی فوج کے سپہ سالار بن سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی کہ ہم کسی طرح ان کو اپنے دین کی طرف مائل کر لیں۔ پہلے انہوں نے ان کو لالچ دیئے۔ لیکن جب دیکھا کہ دال نہیں گلتی تو پھر انہیں ڈرایا دھمکایا۔ حتیٰ کہ انہیں یہ کہا گیا کہ ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے، بہتر یہ ہے کہ تم ہمارے دین کو قبول کر لو۔ لیکن ان کا جواب یہی تھا۔ **فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا** (طٰہٰ: ۷۲) تو جو کر سکتا ہے تو اپنا زور لگا لے، تو کیا کر لے گا، یہی ہوگا کہ تیرے اس تکلیف دینے سے ہمیں موت آ جائے گی۔

جب ان کی طرف سے یہ جواب سنا تو وہ سٹپٹا اٹھے اور پریشان ہوئے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ بالآخر زچ ہو کر انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ ہم ایک جگہ تیل گرم کرتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک کو اس میں ڈالتے ہیں، شاید اس کی وجہ سے دوسرا ڈر جائے اور ہمارے دین کو قبول کر لے۔ چلو دونوں نہیں تو ان میں سے ایک تو ہاتھ آ ہی جائے گا۔ چنانچہ تیل گرم کیا گیا اور ان دونوں کو اس کے پاس بٹھا کر ڈرایا گیا کہ اگر تم ہماری بات کو قبول نہیں کرتے تو تمہیں اس تیل کے اندر ڈال دیا جائے گا۔ جب دیکھا کہ وہ اپنی بات پر جمے ہوئے ہیں تو انہوں نے ان میں سے ایک کو اٹھا کر گرم گرم تیل میں ڈال دیا۔ ذرا تصور کیجئے کہ جب تیل گرم ہو اور اس میں گوشت ڈالا جائے تو پھر کس طرح کباب بنتا ہے اور کیا نقشہ سامنے آتا ہے۔ ان میں سے ایک جب اس طرح کباب بن گئے تو لوگوں نے دوسرے کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ جب اسے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کچھ ڈر گئے

ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ اگر تم ہماری بات مان لو گے تو ہم تمہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ چلو پہلے کے ساتھ تو جو کچھ پیش آیا، وہ تو ہو گیا، اب اگر تم ہماری بات مان لو تو ہم تمہیں تیل میں نہیں ڈالیں گے۔ اس پر انہوں نے بادشاہ کو جواب دیا کہ شاید تو سمجھتا ہے کہ میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ جیسے تو نے اس کو تیل میں ڈالا ہے اسی طرح تو مجھے بھی تیل میں ڈال دے گا، ہرگز ایسا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ میری یہ ایک ہی جان ہے، جب تم مجھے ایک دفعہ تیل میں ڈالو گے تو یہ تو ختم ہو جائے گی، کاش! کہ میرے جسم کے بالوں کے برابر میری جانیں ہوتیں، تو مجھے اتنی دفعہ تیل میں ڈالتا اور میں اتنی جانوں کا نذرانہ اپنے رب کے حضور پیش کر دیتا۔

سبحان اللہ

صنفِ نازک کی استقامت

اس عاجز کو 1994ء میں سمرقند جانے کا موقع ملا تو جامع مسجد کلاں سمرقند میں خطبۂ جمعہ دیا۔ نماز جمعہ کے بعد چند نوجوان اس عاجز کے پاس آئے اور کہنے لگے، حضرت! آپ ہمارے گھر میں تشریف لے چلیں، ہماری والدہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ اس عاجز نے معذرت کر دی کہ اتنے لوگ یہاں موجود ہیں، میں ان کو چھوڑ کر وہاں کیسے جاؤں۔ مفتی اعظم سمرقند اس عاجز کے ساتھ ہی کھڑے تھے۔ وہ کہنے لگے، حضرت! آپ ان کو انکار نہ کریں، میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا، ان کے ہاں جانا ضرور ہے۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ ہم دوستوں سے ملاقات کر کے چل پڑے۔

راستے میں مفتی اعظم بتانے لگتے کہ ان نوجوان لڑکوں کی والدہ ایک مجاہدہ

اور پکی مومنہ ہے۔ جب کیمونزم کا انقلاب آیا تو اس وقت وہ بیس سال کی نوجوان لڑکی تھی۔ اس کے بعد اب ستر سال گزر چکے ہیں، اس طرح اس کی عمر نوے سال ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کیمونزم کے دور میں اتنا مضبوط ایمان دیا تھا کہ ادھر دہریت کا سیلاب آیا اور ادھر یہ نوجوان لڑکیوں کو دین پر جمے رہنے کی تبلیغ کرتی تھی۔ ان سے گھنٹوں بحث کرتی اور ان کو کلمہ پڑھا کر ایمان پہ لے آتی۔ ہم پریشان ہوتے کہ اس نوجوان لڑکی کی جان بھی خطرے میں ہے اور یہ دہریے قسم کے فوجی اس کی عزت خراب کریں گے اور اسے سولی پر لٹکا دیں گے۔ لہٰذا ہم اسے سمجھاتے، بیٹی! تو جوان العمر ہے، تیری عزت و آبرو اور جان کا معاملہ ہے، تو اتنا کھل کر لوگوں کو اسلام کی تبلیغ نہ کیا کر۔ مگر وہ کہتی کہ میری عزت و آبرو اور جان اسلام سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ میری جان اللہ کے راستے میں قبول ہو گئی تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ لہٰذا یہ عورتوں کو کھلے عام تبلیغ کرتی رہتی، حتیٰ کہ سینکڑوں کی تعداد میں عورتیں دہریت سے توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہو گئیں۔ ہمیں اس کا ہر وقت خطرہ رہتا، سب علماء پریشان تھے کہ پتہ نہیں اس لڑکی کا کیا بنے گا؟ پتہ نہیں کونسا دن ہو گا جب اسے سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور اس کو سارے لوگوں کے سامنے بے لباس کر کے ذلیل و رسوا کر دیا جائے گا۔ مگر یہ نہ گھبراتی، یہ ان کو دین کی تبلیغ کرتی رہتی۔ حتیٰ کہ اس نے ستر سال تک دین کی تبلیغ کی اور یہ ہزاروں عورتوں کے ایمان لانے کا سبب بن گئی۔ اب وہ بیمار ہے، بوڑھی ہے اور چارپائی پر لگی ہوئی ہے۔ اس عورت کو آپ کے بارے میں کسی نے بتایا کہ پاکستان سے ایک عالم آئے ہیں۔ اس کا جی چاہا کہ وہ آپ سے گفتگو کرے، اس لئے میں نے کہا کہ آپ انکار نہ کریں۔

اس عاجز نے جب یہ سنا تو دل بہت خوش ہوا کہ جب وہ ایسی اللہ کی نیک بندی ہے تو ہم بھی ان سے دعا کروائیں گے۔

جب ہم ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ صحن میں ان کی چارپائی پڑی ہوئی تھی اور وہ اس پر لیٹی ہوئی تھی۔ لڑکوں نے اس کے اوپر ایک پتلی سی چادر ڈال دی۔ ہم چارپائی سے تقریباً ایک میٹر دور جا کر کھڑے ہوگئے۔ اس عاجز نے جاتے ہی سلام کیا۔ سلام کرنے کے بعد عاجز نے عرض کیا، اماں! ہمارے لئے دعا مانگیے۔ ہم آپ کی دعائیں لینے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ جب اس عاجز نے عرض کیا تو اس نے اس چادر کے اندر ہی اپنے ہاتھ اٹھائے اور بوڑھی آواز میں سب سے پہلے یہ دعا مانگی ''خدایا! ایمان سلامت رکھنا'' یقین کیجئے کہ ہماری آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ اس دن احساس ہوا کہ ایمان کتنی بڑی نعمت ہے کہ ستر سال تک ایمان پر محنت کرنے والی عورت اب بھی جب دعا مانگتی ہے تو پہلی بات کہتی ہے ''خدایا! ایمان سلامت رکھنا''۔

سب سے قیمتی دولت

ایمان کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بڑی دولت ہے جو پروردگار نے ہمیں عطا کر دی ہے۔ اس لئے ہمیں اس کی حفاظت کی ہر وقت فکر رہنی چاہئے۔ ہم اس ایمان کو قیمتی سمجھیں اور اس کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز آئے تو اس کو ٹھوکر لگا دیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ رب العزت سے اس نعمت کی حفاظت مانگا کریں کہ اے اللہ! ہمیں اس نعمت کی حفاظت کی توفیق نصیب فرما۔ جان اتنی قیمتی نہیں، عزت اتنی قیمتی نہیں بلکہ ایمان سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ پر پکا ایمان رکھیں۔ ہمیں اللہ کے محبوب ﷺ نے جو کچھ بتایا، ہم اس

کے اوپر پکے رہیں۔ اس سے انسان اللہ رب العزت کے مقبول بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

ایک نوجوان کی استقامت

سمرقند کے اسی سفر میں ایک عالم ایک نوجوان کو اس عاجز سے ملانے کے لئے لائے اور بتایا کہ یہ وہ خوش نصیب نوجوان ہے جو روسی انقلاب کے زمانے میں پانچ مرتبہ اذان دے کر کھلے عام نمازیں پڑھتا تھا۔ یہ سن کر اس عاجز کو حیرت ہوئی اور پوچھا، وہ کیسے؟ اس نوجوان نے اپنی پیٹھ پر سے کپڑا ہٹا دیا۔ ہم نے دیکھا تو اس کی پیٹھ کے ایک ایک انچ جگہ پر زخموں کے نشانات موجود تھے۔ اس عاجز نے پوچھا، یہ کیا معاملہ ہے؟

اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی۔ وہ کہنے لگا، جب میں نے پہلی مرتبہ اذان دی تو پولیس والے مجھے پکڑ کر لے گئے اور خوب مارا۔ میں جان بوجھ کر اس طرح بن گیا جس طرح کوئی پاگل ہوتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ مارتے میں اتنا ہی زیادہ ہنستا۔ ایک وقت میں کئی کئی پولیس والے مارتے مارتے تھک جاتے مگر میں اللہ کے نام پر مار کھاتے کھاتے نہ تھکتا۔ مجھے بجلی کے جھٹکے بھی لگائے گئے مگر میں نے برداشت کر لئے۔ مجھے کئی کئی گھنٹے برف پر لٹایا گیا، مجھے پوری پوری رات الٹا لٹکایا گیا، مجھے گرم چیزوں سے داغا گیا، میرے ناخن کھینچے گئے مگر میں اس طرح محسوس کرواتا جیسے کوئی پاگل ہوتا ہے۔ میں جان بوجھ کر پاگلوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ پولیس والوں نے ایک سال میری پٹائی کرنے کے بعد مجھے پاگل خانے بھجوا دیا۔ وہاں بھی میں نے ایک سال اسی طرح گزارا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر نے لکھ کر دے دیا کہ یہ شخص پاگل ہے، اس کا ذہنی توازن خراب

ہے، یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، یہ اپنے آپ میں ہی مگن رہتا ہے۔ لہٰذا اب اس کو دوبارہ گرفتار نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ڈاکٹر کی رپورٹ پر مجھے آزاد کر دیا گیا۔ جب میں باہر آیا تو میں نے ایک جگہ پر چھوٹی سی مسجد نما جگہ بنائی، میں وہیں دن میں پانچ مرتبہ اذانیں دیتا اور پانچ نمازیں کھلے عام پڑھا کرتا تھا۔ اس عاجز نے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہوتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

یہ عاجز اس نوجوان کے چہرے کو بار بار دیکھتا اور اس کی ثابت قدمی پر رشک کرتا رہا۔

ازل سے رچ گئی ہے سر بلندی اپنی فطرت میں
ہمیں کٹنا تو آتا ہے مگر جھکنا نہیں آتا

صحابہ کرامؓ کے نزدیک ایمان کی قدر

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو ایمان کی نعمت نصیب فرمائی تو انہوں نے اس کی قدر کی اور اس کی حفاظت کے لئے ہر وقت متفکر رہتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے **تعلمنا الایمان ثم تعلمنا القرآن** ہم نے پہلے ایمان سیکھا اس کے بعد پھر ہم نے قرآن سیکھا۔ میرے دوستو! وہ ایمان جو صحابہ کرامؓ نے بدر والے دن تلواروں کے سایہ کے نیچے پایا تھا آج ہم اس ایمان کو پنکھوں کی ٹھنڈی ہوا کے نیچے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ کیا اس طرح ایمان مل جائے گا؟ نہیں بلکہ اس کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ دین کی خاطر جان مال اور سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے تب انسان کو ایمان کی حرات نصیب ہوتی ہے۔

وقت کی ایک اہم ضرورت

یاد رکھیئے کہ آج کے دور میں اتنے فتنے موجود ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں احد پہاڑ جیسا ایمان ہے وہ بھی ایسے لرزاں اور ترساں نظر آتے ہیں جیسے انہیں ہر لمحے اپنے مرتد ہو جانے کا خوف ہو۔ اور عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہے وہ اس کی حفاظت سے بھی غافل ہیں اور انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ہمارے پاس کتنی بڑی دولت موجود ہے۔ اس لئے ایمان کی اہمیت کا دل میں ہونا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

شک سے بچنے کی ضرورت

کفار کی طرف سے اسلامی ملکوں میں جو تنظیمیں آتی ہیں وہ سب سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں شک پیدا کر دیتی ہیں۔ اور شک ایک ایسی خطرناک اور بری چیز ہے جو ایمان کی بنیاد کو ہلا کے رکھ دیتی ہے۔ اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی اور شرک سے پہلے شک سے پناہ مانگی،

اللھم انی اعوذبک من الشک و الشرک و الشقاق و النفاق و سوء الاخلاق

(اے اللہ! میں شک سے، شرک سے، شقاق سے، نفاق سے اور برے اخلاق سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اب یہاں غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے لا ریب فیہ پہلے کہا اور هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ٥ (البقرۃ: ۲) بعد میں کہا۔ اس

لئے کہ اگر شک رہ گیا تو ہدایت نہیں پا سکو گے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کفر کی تحریکیں چل رہی ہیں وہ ایمان والوں کے دلوں میں شک پیدا کر دیتی ہیں اور شک پیدا کرنے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

ایمان کے اظہار کرنے کا طریقہ

اگر آپ سے کوئی یہ پوچھے کہ کیا آپ مؤمن ہیں تو اسے جواب دیجئے انا مومن حقا میں پکا مؤمن ہوں۔ اس لئے کہ یہ اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس میں شک والی کیا بات ہے۔ کوئی ڈھل مل بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام شافعیؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ انا مومن انشاء اللہ تو انہوں نے اپنے انجام اور خاتمے پر نظر رکھ کر بات کی ہے۔ یہ علماء کا مقام ہے جب کہ ہم عوام الناس ہیں، ہمیں ایک ہی بات کرنی چاہئے کہ انا مومن حقا۔ اور یہ بات کرتے ہوئے پاؤں کے نیچے چٹان ہونی چاہئے۔

مضبوط ایمان کی نشانی

امام رازیؒ نے وجود باری تعالیٰ پر سو دلائل جمع کئے۔ ایک مرتبہ ان کی شیطان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ شیطان سے کافی دیر مناظرہ کرتے رہے۔ اس دوران انہوں نے فرمایا کہ اے ابلیس! میرا اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑا پکا ہے تو مجھے بہکا نہیں سکتا۔ ابلیس نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ یہ سامنے دیہاتی کھیت میں ہل چلا رہا ہے اس کا ایمان آپ سے زیادہ پکا ہے۔ آپ نے پوچھا، وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ ابھی تماشا دیکھیں۔ چنانچہ شیطان ایک اجنبی شخص کی صورت میں اس

دیہاتی کے سامنے پہنچا اور کہنے لگا کہ خدا موجود نہیں ہے۔ اس نے دو بڑی گالیاں دیں اور پاؤں سے جوتی نکالی کہ اس کی پٹائی کرے۔ ابلیس وہاں سے بھاگا اور امام رازی سے کہنے لگا، دیکھا۔ اس کا ایمان اتنا قوی ہے کہ وہ سننا گوارا ہی نہیں کرتا کہ کوئی خدا کے وجود کا انکار کرے۔ مرنے مارنے پر تل گیا۔ آپ سے میں نے بحث شروع کی آپ نے دلائل دینے شروع کئے۔ گویا یہ بات سن لی کہ خدا موجود نہیں۔ اب رہی دلائل کی بات تو میں قوی دلائل دے دوں گا تو آپ پھسل جائیں گے۔ آپ کے دل میں ذرا شک پیدا ہو گیا تو آپ ایمان سے محروم ہو جائیں گے۔

ایمان جیسے چٹان

یاد رکھنا، کہ جو چیزیں ہلکی ہوتی ہیں وہ پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہیں۔ جیسے لکڑی، گھاس، تنکے، کاغذ وغیرہ۔ کیا چٹانیں بھی پانی کے ساتھ بہتی ہیں؟ نہیں، بلکہ وہ پانی کے رخ کو موڑ دیا کرتی ہیں۔ میرے دوستو! آج بے راہ روی، فحاشی اور عریانی کا دریا بہہ رہا ہے، آپ چٹان بن جایئے اس کے ساتھ بہنے کی بجائے اس کے رخ کو موڑ دیجئے۔

یاد کرتا ہے زمانہ ان انسانوں کو
روک دیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

الحمدللہ ہم مؤمن ہیں اس میں ہمارا کمال نہیں ہے بلکہ یہ اس کمال والے پروردگار کا کمال ہے کہ اس نے ہمیں یہ نعمت عطا کر دی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس نعمت پر پکے ہو جائیں اور پوری زندگی اسی ایمان کی محنت پر لگا دیں، پھر دیکھنا کہ اللہ رب العزت کی طرف سے کیسی مدد اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔

قلت اور کثرت کا چکر

ایمان قلت اور کثرت کو نہیں دیکھتا۔ ابھی ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ ہم بہت تھوڑے ہیں، ارے تھوڑے لوگوں کا کیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (البقرۃ: ۲۴۰) جب اللہ رب العزت کی مدد شامل حال ہوتی ہے تو اللہ رب العزت چڑیوں سے باز مروادیا کرتے ہیں۔ اس لئے تعداد اور وسائل کو نہ دیکھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کو دیکھیں، جب مدد اتر آئے گی تو ان شاء اللہ کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

اسلام اور ایمان کی کیفیت میں فرق

اسلام لانے کا مطلب فرمانبرداری کے لئے تیار ہو جانا ہے۔ ایک منافق آدمی اگر ظاہراً کلمہ پڑھتا ہے تو اس کو مسلمان کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ ایمان سے خالی ہوتا ہے۔ اسلام اور ایمان میں فقط کیفیت کا فرق ہے۔ اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے اور ایمان کا تعلق باطن سے ہے۔ جو کوئی آدمی ریاکاری یا دھوکہ دینے کی نیت سے کلمہ پڑھے تو شرع شریف میں اس کو مسلمان سمجھا جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مومن نہیں ہوگا۔ جیسے کہ منافقین کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے لیکن وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۴) جب وہ اپنے شیطان دوستوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم مسلمانوں سے مذاق کرتے تھے۔

منافقین کا احسان جتلانے کا واقعہ

بنو اسد نامی ایک قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے لوگوں نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں آ کر کلمہ پڑھا اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے اپنے ایمان لانے کا احسان جتلانے لگے۔ درحقیقت وہ دل سے مسلمان ہوئے ہی نہیں تھے۔ مال دنیوی کی منفعت حاصل کرنا ان کا مقصد تھا۔ لہٰذا وہ کہنے لگے کہ یہ دوسرے قبیلے والے آپ سے لڑائیاں لڑتے رہے اور بعد میں مسلمان ہوئے، لیکن ہم لوگ بغیر لڑائی کے مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں۔ وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان کامل پیدا نہیں ہوا وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اور اگر تم اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تو لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا وہ کمی نہ کرے گا تمہارے کاموں میں کچھ بھی اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (الحجرات:۱۴) بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے زبانی دعووں کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال سے اپنے آپ کو کیا ظاہر کرتے ہیں۔ زبان سے تو ہم دوسروں کو بھی نصیحت کر رہے ہوتے ہیں لیکن ہمارے عمل سے کتنے لوگ نصیحت پاتے ہیں۔

و آخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العالمین

دین اسلام کے محافظ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ دین تابعین نے سیکھا اور تابعین سے تبع تابعین نے سیکھا۔ یہ ایک علمی تسلسل ہے۔ ہم تک جو دین پہنچا ہے یہ تواتر کے ساتھ پہنچا ہے۔ ہم رات کی تاریکی میں نہیں بلکہ دن کی روشنی میں بات کر رہے ہیں کہ ہمارا ایک علمی شجرہ ہے۔ یہ ایک ایسا علمی تعلق ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چلتا ہے اور ہمارے ان اساتذہ تک پہنچتا ہے جن سے ہم نے دین سیکھا ہے۔

دین اسلام کے محافظ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ○

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

سعادتوں کا مخزن

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں دو چیزیں لے کر آئے۔ ایک روشن کتاب اور دوسری چیز روشن دل۔ ایک چمکتا ہوا دل اور دوسرا دمکتے ہوئے اخلاق، ایک علم کامل اور دوسرا عمل کامل۔ کائنات کی جتنی بھی سعادتیں ہیں وہ علم اور عمل کے اندر ہی رکھی گئی ہیں۔

انحطاط کا دور

آج کا دور علم اور عمل کے انحطاط کا دور ہے۔ ہماری نوجوان نسل علمی طور پر اور عملی طور پر دین سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ ہر آنے والا دن یہ فاصلے بڑھاتا جا رہا ہے۔ یہ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی گواہی

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ رب العزت کی طرف سے جو دین لے کر آئے

آپ ﷺ نے اس کو ٹھیک ٹھیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ جب حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع سے گواہی مانگی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا، اے اللہ! گواہ ہو جائیے۔ اے اللہ! گواہ ہو جائیے۔

نبی اکرم ﷺ کے علم وعمل کے محافظ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے محبوب ﷺ سے اس دین کو سیکھا اور اس کو عملی جامہ پہنایا۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم وعمل دونوں کے محافظ بنے۔ انہوں نے دین کو اپنے دماغ میں بھی محفوظ کیا اور اپنے اعضاء وجوارح میں عمل کی شکل میں بھی محفوظ کیا۔ گویا علم سینوں میں بھی محفوظ ہوا اور سفینوں میں بھی محفوظ ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اداؤں کی محافظ تھی۔ وہ عشاق کا مجمع تھا، اللہ تعالیٰ کی چنی ہوئی جماعت تھی۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو کچھ کرتے دیکھتے تھے وہ خود بھی اسی طرح کرتے تھے۔ ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنتوں پر عمل کرنے کا اس حد تک شوق ہوتا تھا کہ ان کی چال ڈھال اور گفتار رفتار ہر چیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک طریقے کے مطابق ہوتی تھی۔ باہر ملکوں سے تجربہ کار اور جہاں دیدہ قسم کے لوگ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے ملنے کیلئے آتے تھے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام محفل میں تشریف فرما ہوتے تھے مگر سب لوگ اپنے ظاہر اعمال وافعال، گفتار ورفتار اور شخصیت میں اس قدر ایک جیسے ہوتے تھے کہ ان کو پوچھنا پڑتا تھا کہ آپ میں سے اللہ کے نبی ﷺ کون ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ نقل اصل کے اتنا

قریب ہو چکی تھی اور تابع اپنے متبوع کے اتنا قریب ہو چکے تھے کہ دونوں کے درمیان فاصلے سمٹ چکے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کو پہچان نہیں ہوتی تھی۔

آقا اور غلام میں حیران کن مماثلت

ہجرت کے موقع پر جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ جاتے ہیں تو وہاں کے دید و دانش رکھنے والے لوگ دونوں حضرات کو آتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ پہچان نہیں کر پاتے کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون ہے۔ کیونکہ وہ دونوں ظاہری رفتار و گفتار اور کردار میں ایک جیسے نظر آ رہے تھے۔ حتیٰ کہ مدینے کے لوگ آگے بڑھ کر سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ بھی مصافحہ کرتے رہے کیونکہ انہوں نے سوچا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تھکے ہوئے ہیں اس لئے ان کو مزید نہ تھکنا پڑے۔ پھر جب سورج نکلا اور اس کی کرنوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک کے بوسے لئے تب وہ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ جس کو وہ اللہ کا نبی سمجھ کر مصافحہ کرتے رہے وہ اٹھے اور انہوں نے اپنی چادر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے اوپر تان دی۔ تب پتہ چلا کہ آقا کون تھا اور غلام کون تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اتباع سنت

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج کے سفر پر چلے۔ راستے میں انہوں نے اپنی سواری کو ایک جگہ پر روکا، نیچے اترے اور ویرانے میں ایک طرف کو اس طرح گئے جیسے کوئی آدمی قضائے حاجت کے لئے جاتا ہے، پھر ایک جگہ پر بیٹھ گئے۔ لگتا یوں تھا کہ فراغت حاصل کرنے کے لئے بیٹھے ہیں، مگر وہ فارغ

نہیں ہوئے بلکہ ایسے ہی واپس آ گئے اور اونٹ پر بیٹھ کر آگے چل پڑے۔ ساتھیوں نے پوچھا، حضرت آپ کے اس عمل کی وجہ سے ہمیں رکنا پڑا ہے حالانکہ آپ کو فراغت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ فرمانے لگے کہ میں اس لئے نہیں رکا تھا کہ مجھے ضرورت تھی۔ بلکہ اصل میں بات یہ ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اسی راستے سے سفر کیا تھا۔ اسی جگہ پر میرے محبوب ﷺ رکے تھے اور آپ ﷺ نے اس جگہ پر جا کر قضائے حاجت سے فراغت حاصل کی تھی۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی محبوب ﷺ کے اس عمل کے مطابق اپنا عمل کرلوں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ نبی علیہ السلام کی اداؤں کے کتنے محافظ تھے۔ وہ جو کچھ بھی محبوب ﷺ کی زبان سے سنتے تھے یا ان کو کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

فرمان نبوی ﷺ کا لحاظ

مسجد نبوی ﷺ کا ایک دروازہ تھا۔ جہاں سے اکثر عورتیں آیا کرتی تھیں اور جب عورتیں نہیں ہوتی تھیں تو کبھی کبھی مرد بھی اس دروازے سے آجایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، کتنا اچھا ہوتا کہ اس دروازے کو عورتوں کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ یہ سن کر مردوں نے اس دروازے سے آنا چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان الفاظ کو سننے کے بعد پوری زندگی میں کبھی بھی اس دروازے سے مسجد نبوی ﷺ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ سبحان اللہ، ان کا ایک ایک کام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اداؤں کا مظہر ہوا کرتا تھا۔ اللہ رب العزت نے ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایسا عشق عطا فرمایا تھا کہ ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ہر بات یاد رہتی تھی۔

انہوں نے اپنے دماغوں میں بھی اس علم کو یاد رکھا اور اپنے جسم کے اعضاء پر بھی اس علم پر عمل کے ذریعے سے یادیں تازہ رکھیں۔

ایک حبشی صحابی رضی اللہ عنہ اور اتباع سنت

ایک صحابی رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ وہ جب بھی نہا کر نکلتے تو ان کا جی چاہتا تھا کہ میں بھی اپنے سر میں اسی طرح درمیان میں مانگ نکالوں جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نکالا کرتے ہیں۔ لیکن حبشی نژاد ہونے کی وجہ سے ان کے بال گھنگھریالے، چھوٹے اور سخت تھے اس لئے ان کی مانگ نہیں نکل سکتی تھی۔ وہ اس بات کو سوچ کر بڑے اداس سے رہتے تھے کہ میرے سر کو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔ ایک دن چولہا جل رہا تھا۔ انہوں نے لوہے کی ایک سلاخ لے کر اس آگ میں گرم کی اور اپنے سر کے درمیان میں اس سلاخ کو پھیر لیا۔ گرم سلاخ کے پھرنے سے ان کے بال بھی جلے اور جلد بھی جلی۔ اس سے زخم بن گیا۔ جب زخم درست ہوا تو ان کو اپنے سر کے درمیان میں ایک لکیر نظر آتی تھی۔ لوگوں نے کہا، تم نے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی؟ وہ فرمانے لگے کہ میں نے تکلیف تو برداشت کر لی ہے لیکن مجھے اس بات کی اب بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ میرے سر کو اب محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت نصیب ہوگئی ہے۔

ہمارا علمی شجرہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ دین تابعین نے سیکھا اور تابعین سے تبع تابعین نے سیکھا۔ یہ ایک علمی تسلسل ہے۔ ہم تک جو دین پہنچا ہے یہ تواتر کے ساتھ پہنچا

ہے۔ ہم رات کی تاریکی میں نہیں بلکہ دن کی روشنی میں بات کر رہے ہیں کہ ہمارا ایک علمی شجرہ ہے۔ یہ ایک ایسا علمی تعلق ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چلتا ہے اور ہمارے ان اساتذہ تک پہنچتا ہے جن سے ہم نے دین سیکھا ہے۔

علمائے کرام کا فرض منصبی

اللہ رب العزت نے دین متین کی حفاظت کی ذمہ داری امت کے علماء اور مشائخ کے کندھوں پر ڈال دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ رب والے یعنی اللہ والے و الاحبار حبر کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے علماء یعنی عالم باللہ اور عالم بکتاب اللہ۔ ان کا فرض منصبی کیا ہے بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ (المائدہ: ۴۴)۔ انہوں نے اللہ رب العزت کی کتاب کی حفاظت کرنی ہے۔ چنانچہ جسے دریا کے پل کے اوپر چوکیاں بنی ہوئی ہوتی ہیں اور وہ پولیس اس کی حفاظت کرتی ہے اسی طرح ان علماء نے قرآن پاک کی ہر آیت پر ڈیرے ڈالے ہیں، جھگیاں بنائی ہیں اور تن من دھن کی بازی لگا کر ان کی حفاظت کی ہے۔

علمائے کرام کسی آدمی کو نہ تو کسی بھی آیت کی ظاہری حالت میں تبدیلی کرنے کی اجازت دیں گے اور نہ ہی اس کے معانی غلط لینے کی اجازت دیں گے۔ اگر کوئی ایسی ناپاک جسارت کرے گا تو یہ احقاق حق اور ابطال باطل کر کے دکھائیں گے۔ یہ ان علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اوپر والوں سے علم سیکھیں اور آنے والوں تک پہنچائیں۔ اسی طرح یہ دین اس امت میں چلتا رہا ہے۔ الحمدللہ اس علمی تسلسل کا ایک بہت بڑا پس منظر ہے۔

نوجوان نسل

مدارس میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ آج کی کوئی نئی اختراع نہیں ہے۔ یہ انہی اکابرین سے سیکھی ہوئی باتیں ہیں جو آنے والی نسلوں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ اس لئے ہر مؤمن پر دو طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک تو خود دین سیکھنا اور دوسرا اپنی آنے والی نسل کو دین سکھانا۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ آج یہ امت اپنی نوجوان نسل کو فرنگی تہذیب کی بھٹی میں جھونک چکی ہے۔ آپ صبح کے وقت دیکھتے ہوں گے کہ سینکڑوں بچے اور بچیاں شگفتہ اور تر و تازہ چہروں کے ساتھ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جا رہے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کتنے فیصد طلباء ایسے ہوتے ہیں جو مدارس میں تفسیر یا حدیث کا علم سیکھنے کے لئے جا رہے ہوتے ہیں۔ کوئی نسبت بھی نہیں بنتی۔ ہم اپنی اولادوں کو انگریزی تعلیم کیوں دلواتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ ضرورت زندگی ہے اور ہم نے ان کو دینی تعلیم کیوں دلوانی ہے؟ اس لئے کہ یہ مقصد زندگی ہے۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ ضرورت زندگی کے لئے پوری قوم اپنے بچوں کو روزانہ باقاعدگی کے ساتھ بھیجتی ہے اور بچوں کو مقصد زندگی سکھانے کے لئے کبھی توجہ ہی نہیں دیتے۔ دنیاوی تعلیم تو ہر گھر کے بچے سکولوں کالجوں، گرائمر سکولوں، انگلش سکولوں اور سائنس کالجز میں باقاعدگی سے حاصل کرتے ہیں لیکن باقاعدہ دینی تعلیم نہیں سیکھ پا رہے۔

ہماری نوجوان نسل کا دین سنا سنایا ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ سنے سنائے دین کی جڑیں گہری نہیں ہوتیں۔ ان کو اگر کوئی زیادہ باتونی بندہ مل جائے گا تو وہ ان کا رخ پھیر دے گا۔ اسی وجہ سے نوجوان وہ فتنوں میں الجھ جاتے ہیں اور ہمیشہ

ہی تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ یہ آفت ان پر اس لئے آن پڑتی ہے کہ انہوں نے دین باقاعدہ سیکھا نہیں ہوتا۔

انہوں نے دیں کہاں سیکھا بھلا جا جا کے مکتب میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

لوگ دین دنیا برابر برابر کا نعرہ تو لگا دیتے ہیں لیکن عملی طور پر پوری اولاد کو دنیا کی تعلیم سکھا رہے ہوتے ہیں۔ دینی تعلیم کے لئے بچپن میں ناظرہ قرآن پاک پڑھانے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلیٰ۔ اس طرز عمل کا نتیجہ انتہائی ناگفتہ بہ نکلتا ہے۔

بی اے پاس لڑکی کی زبوں حالی

ہمارے جامعہ میں ایک لڑکی آئی۔ اس وقت اس کی عمر بائیس سال تھی۔ وہ بی اے کر چکی تھی۔ اس نے جامعہ کی پرنسپل صاحبہ سے کہا کہ میری امی میری شادی کرنا چاہتی ہے۔ میں آپ کے پاس اس لئے آئی ہوں کہ آپ مجھے غسل کے مسائل سمجھا دیں۔ انہوں نے پوچھا، کہ آپ تو تقریباً پندرہ سال کی عمر میں جوان ہوئی ہوں گی؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ انہوں نے کہا کہ پندرہ سال کی عمر سے لے کر اب تک آپ ہر مہینے غسل بھی کرتی ہوں گی۔ اس نے کہا، نہیں میں باقاعدہ غسل تو نہیں کیا کرتی تھی۔ بس جیسے دوسرے نہاتے تھے ویسے ہی میں بھی نہا لیتی تھی۔ مجھے تو یہ نہیں پتہ تھا کہ غسل بھی کرنا ہوتا ہے۔ اب اس نوجوان لڑکی کے نو سال جو ناپاکی میں گزرے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس نے نمازیں بھی پڑھی ہوں گی اور تلاوت بھی کی ہوگی۔ لیکن جب غسل ہی ٹھیک نہیں تھا تو یہ گناہ کس کو ہوا ہوگا؟ یقیناً اس کے ماں باپ کو ہوا ہوگا۔

ماں باپ کے خلاف مقدمہ

اس لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم خود بھی اپنی اولاد کے سامنے عملی نمونہ بن کر دکھائیں اور انہیں بھی دین سیکھنے پر لگائیں۔ اگر دین سیکھنے پر نہیں لگائیں گے تو وہ قیامت کے دن ہم پر مقدمہ دائر کر دیں گے قرآن عظیم الشان گواہی دیتا ہے کہ روز محشر جب ان بچوں کو عذاب کے لئے بھیجا جائے گا تو وہ کہیں گے رَبَّنَا اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ٥ اے پروردگار! ہم نے اپنے بڑوں کی پیروی کی ...... مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ماں باپ کی طرف اشارہ ہے۔ بیٹی کہے گی کہ اے پروردگار! میرے ماں باپ نے کہا تھا کہ بیٹی! کمپیوٹر کے کورس کرلو، میں نے کر لئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا، بیٹی! لیڈی ڈاکٹر بن کے دکھادو، میں بن گئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا، بیٹی! تم اب ایم اے کر چکی ہو لہٰذا اب ایم ایڈ بھی کر کے دکھادو، میں نے کر لیا تھا۔ اے اللہ! انہوں نے جو لائن دی تھی ہم نے وہ پوری کر کے دکھائی۔ اگر یہ دنیا کے علوم کی لائن دے سکتے تھے تو یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ بیٹی! تم قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھ کے دکھاؤ، تم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کا علم حاصل کر کے دکھاؤ۔ اے اللہ! اگر وہ ہمیں یہ کہتے تو ہم کر کے دکھاتے۔ انہوں نے ہی ہمیں راستے سے بھٹکا دیا تھا۔ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اے اللہ! ان کو دوگنا عذاب دیجئے۔ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (الاحزاب: ٦٨) اور اے اللہ! ان پر لعنتوں کی بارش برسا دیجئے۔ کیونکہ وہ خود بھی ڈوبے تھے اور ہمیں بھی لے ڈوبے تھے۔ اب بتائیے کہ جب اولاد کہہ رہی ہوگی کہ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کو دوگنا عذاب دیجئے اور ان پر لعنتوں کی بارش برسا دیجئے تو پھر ہماری

نمازیں کس کام آئیں گی۔ اس لئے یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دین خود بھی سیکھیں اور اپنی آنے والی نسلوں تک دین کو پہنچائیں۔

حفاظت دین کی اصل وجہ

ہر دور میں دین پر بڑے حملے ہوئے کبھی کفار کی طرف سے اور کبھی اندر کے منافقین کی طرف سے۔لیکن جہاں سے بھی حملہ ہوا علماء کی جماعت نے ان تمام سوراخوں کو بند کر دیا۔انہوں نے جانی اور مالی قربانی دے کر دین کی حفاظت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ آج چودہ سو سال کا طویل عرصہ گذرنے کے بعد بھی دین اپنی اصلی حالت میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ یہ دین ہم تک حلوے کھا کھا کر نہیں پہنچا بلکہ قربانیوں کے ذریعے پہنچا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دلداری

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ تک جو دین پہنچایا اس میں محبوب ﷺ کو کتنی قربانی دینی پڑی۔ ذرا کتابیں کھول کے دیکھ لیجئے۔ ہمارے آقا ﷺ کو راتوں کو نیند ہی نہیں آتی تھی۔ سینہ گھٹتا محسوس ہوتا تھا اور خود اللہ رب العزت ان کو تسلیاں دیتے تھے۔فرماتے تھے۔ وَ اصْبِرْ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا محبوب ﷺ! آپ صبر فرما لیجئے۔ آپ ہمارے آنکھوں کے سامنے ہیں۔ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ اپنے رب کے لئے آپ صبر کر لیجئے، وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَ لَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ o اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ o (النمل: ۱۲۸، ۱۲۷) کیونکہ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی حالت یہ ہوتی تھی کہ راتوں کو روتے رہتے تھے

اور مبارک آنسوؤں کی لڑیاں موتیوں کی طرح نیچے گرتی چلی جاتی تھیں۔ نہ صرف یہی بلکہ لمبے لمبے سجدے فرمایا کرتے تھے۔

ابوجہل کو دعوت اسلام

کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ ابو جہل کے گھر تین ہزار مرتبہ چل کر تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ بارش اور طوفان تھا، لوگ ڈر کے مارے گھروں میں دبکے پڑے تھے۔ ابو جہل کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک سن کر ابو جہل نے اپنی بیوی سے کہا، لگتا ہے کہ آج کوئی بڑا ہی ضرورت منداس برے موسم میں ہمارے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے، اچھا پتہ کرتا ہوں کہ کون ہے؟ میں اس کا سوال پورا کر دوں گا۔ ابو جہل باہر نکلا تو دیکھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ کھڑے تھے۔ اس نے پوچھا، آپ اس وقت میں آئے......!!! اللہ کے محبوب ﷺ فرمانے لگے کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل کو اب دین کے لئے موم کر دیا ہو۔

صبر کی انتہاء

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ مکرمہ کے بازار میں سے گزر رہے تھے۔ چند نوجوانوں نے اللہ کے محبوب ﷺ کو دیکھا اور کہا، اچھا۔ یہی وہ آدمی ہیں جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے محبوب ﷺ کو گھیر لیا۔ ان میں سے کسی بدبخت نے آپ ﷺ کے عمامہ مبارک کو کھینچا، کسی شقی القلب نے آپ ﷺ کے موئے مبارک کو کھینچا، کسی نے کپڑے کو کھینچا۔ انہوں نے اللہ کے محبوب ﷺ کو بہت پریشان کیا، مکہ کے ان کمینوں میں

سے ایک کمینے نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور پر تھوک دیا۔ اس کو دیکھ کر دوسرے نے تھوکا، حتیٰ کہ سب کمینوں نے تھوکا۔ انہوں نے اسی پر بس نہ کی بلکہ ان میں ایک بدبخت نے مٹی لے کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور پر پھینک دی۔ جس کی وجہ سے والضحیٰ والے چہرۂ انور پر کیچڑ سا بن گیا۔ اتنا پریشان کرنے کے بعد جب وہ تھک گئے تو وہ کہنے لگے، اچھا ہم دوبارہ آپ سے پوچھیں گے کہ آپ ہمارے لات ومنات کو کیسے برا کہتے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ خبیث چلے گئے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ کو پتہ چلا تو وہ پیالے میں پانی لے کر آئیں۔ جب انہوں نے ابا حضور کے چہرۂ انور پر کیچڑ بنا ہوا دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تسلی دی اور فرمایا، بیٹی! آپ رو نہیں، جس دین کو تیرا باپ لے کر آیا ہے، ایک وقت آئے گا کہ وہ ہر کچے اور پکے مکان میں پہنچ کر رہے گا۔

بیٹی ہو تو ایسی......!!!

اللہ کے محبوب ﷺ فاقے برداشت فرمایا کرتے تھے۔ سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ اپنے گھر میں کھانا کھا رہی تھیں۔ انہیں کوئی خیال آیا اور آدھی روٹی لپیٹ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے تشریف لائیں۔ اللہ کے محبوب ﷺ سے ملیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا، بیٹی فاطمہ! کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں نے روٹیاں پکائی تھیں، سب کے حصے میں ایک ایک روٹی آئی تھی، جب میں روٹی کھانے لگی تو میرے دل میں خیال آیا، فاطمہ! تو خود تو کھا رہی ہے، پتہ نہیں کہ تیرے والد گرامی کو کچھ

کھانے کو ملا ہوگا یا نہیں۔ لہٰذا میں نے آدھی روٹی کھائی ہے اور بقیہ آدھی روٹی آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔ سبحان اللہ! ایسی بیٹی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو عطا فرمائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روٹی کے اس آدھے حصے کو لیا اور ایک ٹکڑا اپنے مبارک منہ میں ڈال کر فرمایا، فاطمہ! مجھے قسم ہے اس رب ذوالجلال کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، تین دن سے میرے منہ میں روٹی کا کوئی ٹکڑا نہیں گیا۔ اللہ اکبر! اللہ کے محبوب ﷺ نے یوں مشقتوں سے دین پہنچایا۔

حضرت بلالؓ پر ظلم وستم

صحابہ کرامؓ کو بھی بے حد تکلیفیں دی گئیں۔ حضرت بلالؓ کو کتنی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ سخت گرمی کے موسم میں تپتی ریت پر لٹا کر اوپر چٹان رکھ دی جاتی تھی۔ مگر اتنے ظلم وستم کے باوجود بھی احد احد کہتے تھے۔

سیدہ زنیرہؓ پر ظلم وستم

سیدہ زنیرہؓ کو بڑھاپے کی حالت میں اتنا مارا گیا کہ ان کی بینائی چلی گئی۔ ابوجہل نے کہا، دیکھا! لات اور منات نے تمہاری بینائی کو چھین لیا۔ سیدہ زنیرہؓ نے پہلے تو اس تکلیف کو برداشت کر لیا تھا لیکن جب ابوجہل نے کہا کہ لات نے تمہاری بینائی کو چھین لیا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئیں۔

وہ روتے روتے کمرے میں چلی گئیں اور سجدے میں سر ڈال کر پروردگار عالم سے فریاد کرنے لگیں کہ پروردگار! انہوں نے مجھے اتنا مارا کہ میری بینائی زائل ہوگئی۔ میں نے آپ کی خاطر ہر تکلیف کو برداشت کر لیا، اب یہ مجھے طعنہ

دے رہے ہیں کہ لات نے تیری بینائی کو ٹرائل کر دیا ہے۔ اے مالک! جب بینائی نہیں تھی تب بھی آپ نے ہی دی تھی اور جب تھی تو آپ نے ہی واپس لی تھی۔ میرے مولا! میری بینائی واپس عطا فرما دیجئے۔ ابھی انہوں نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بینائی دوبارہ عطا فرما دی۔ سبحان اللہ

دشمنان دین کے سامنے سیسہ پلائی دیواریں

یہ دین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرامؓ تک پہنچا اور صحابہ کرامؓ سے آگے ہم تک پہنچا۔ یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ ہر دور اور ہر زمانے میں چلتا رہا۔ وقت کے بادشاہوں اور مفاد پرست لوگوں نے اس دین کے خزانے پر ڈاکے ڈالنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس کو اپنی من مرضی کے مطابق موڑنے کی کوشش کی کہ یہ دین ہماری خواہشات کا مجموعہ بن جائے، مگر اللہ رب العزت ان علمائے کرام کو جزائے خیر دیں جو ان کے سامنے چٹان بن کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم تمہیں دین کے احکام میں ردو بدل کرنے کی اجازت دیں۔ اس مشن میں انہیں بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کی استقامت

ایسا بھی ہوا کہ حجاج بن یوسف کے سامنے حضرت سعید بن جبیرؒ کھڑے ہیں۔ حجاج کہتا ہے کہ میں ابھی تمہیں فنا فی النار کرتا ہوں۔ مگر استقامت کے پہاڑ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں تجھے دوزخ اور جنت کا مالک نہیں سمجھتا۔ جی ہاں وہ ایسے تھے جو نڈر ہو کر جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہتے تھے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ پر ظلم و ستم

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ جیل کے اندر سے نکلا۔ ان کو Slow Poison دی گئی۔ کیونکہ حکام دیکھ رہے تھے کہ ان کے شاگردوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ لہٰذا انہیں خدشہ تھا کہ کہیں وہ ہمارے لئے Threat (خطرہ) نہ بن جائیں۔

امام مالکؒ کی جرأت

امام مالکؒ سے فتویٰ پوچھا گیا انہوں نے حکام کی مرضی کے مطابق فتویٰ نہ دیا۔ ان کو سزا کے طور پر گدھے پر بٹھایا گیا اور ان کے چہرے پر سیاہی مل دی گئی۔ پھر وقت کے حاکم نے حکم دے دیا کہ انہیں مدینہ میں پھراؤ۔ لہٰذا مدینہ منورہ کے امام اور فقیہہ کے چہرے کو سیاہ کر دیا گیا اور گدھے پر بٹھا کر پھرایا گیا۔ اب حضرت امام مالکؒ کی جرأت دیکھئے کہ فرمانے لگے، لوگو! تم میں سے جو پہچانتا ہے کہ میں امام مالک ہوں وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا ہو بھی سن لے میں انس کا بیٹا مالک ہوں۔ ولا یخافون لومة لائم دین کے معاملے میں انہوں نے ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پروانہ کی۔

امام احمد بن حنبلؒ پر ظلم و ستم

امام احمد بن حنبلؒ کو مسئلہ خلق قرآن میں ایسے سخت کوڑے لگائے گئے کہ وہ کوڑے ہاتھی کو بھی لگائے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا۔ ان کے جسم پر جہاں کوڑے لگے وہاں کا گوشت مردہ ہو گیا۔ اس گوشت کو قینچی کے ساتھ کاٹ

کروہاں مرہم لگایا گیا۔ وہ دین کی حفاظت کے لئے یوں استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔

چراغ ایمان کی ضوفشانی

دین کو مٹانے کے لئے کفر کی اتنی آندھیاں چلیں مگر اللہ رب العزت نے پھر بھی ایمان کے چراغ کو جلائے رکھا۔

شکستہ دل سے جو آہ نکلے تو فرش کیا عرش کانپ اٹھے گا
در قفس جو وا نہ ہوگا تو ایک دن ٹوٹ کر رہے گا
کسی کے روکے سے حق کا پیغام کب رکا ہے جو اب رکے گا
چراغ ایمان تو آندھیوں میں جلا کیا ہے جلا کرے گا

انگریز کے دور میں مسلمانوں کے پاس وسائل نہیں تھے۔ علماء نے چٹائیوں پہ بیٹھ کر زندگی گزاردی۔ محترم جماعت! انسان اپنی غربت تو برداشت کر لیتا ہے مگر اولاد کی غربت کو دیکھنا بہت مشکل ہے...... مگر ان علماء نے خود بھی چٹائیوں پر زندگی گزار دی اور اپنی اولادوں کو بھی اسی طرح مشقتوں سے نمٹنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا، گویا ان کے لئے بھی انہی چٹائیوں کو پسند کیا۔ یہ کوئی معمولی قربانی نہیں ہے۔ انہوں نے قدم قدم پر عوام الناس کو بتایا کہ ہم اس دین کو سینے سے لگائے رکھیں۔

برصغیر میں فرنگیوں کے ظلم وستم کی انتہاء

جب 1857ء کی جنگ آزادی انگریز نے جیتی تو اس نے مسلمانوں کے گرد شکنجہ کس دیا۔ انہوں نے مبصرین کو بلوایا اور ان سے کہا کہ تجزیہ کر کے

ہمیں بتاؤ کہ مسلمانوں کی تحریکیں کیسے ختم کریں۔ ان مبصرین نے تجزیہ کر کے تین باتیں بتائیں اور کہا کہ اگر تم یہ تین کام کر لو تو مسلمانوں کی تحریک ختم ہو جائے گی۔

(۱) مسلمانوں سے قرآن چھین لو

(۲) علماء کو ختم کر دو۔

(۳) عوام الناس کو انگریزی تعلیم اس انداز سے دو کہ انہیں اپنے رنگ میں رنگ لو۔

چنانچہ انگریز نے سب سے پہلے قرآن مجید کے لاکھوں نسخے ضبط کر لئے۔ پھر انہوں نے علماء کے لئے باقاعدہ تحریک چلائی۔ اور چودہ ہزار علماء کو پھانسی دی۔ ''انگریز کے باغی مسلمان'' کتاب میں لکھا ہے کہ دہلی سے لے کر پشاور تک جی ٹی روڈ کے اردگرد پیپل اور بڑ کے بڑے بڑے درختوں کے اوپر پھندا لٹکایا گیا۔ علماء کو ان پر پھانسی دی جاتی اور ان کی لاشوں کو لٹکنے دیا جاتا۔ کوئی اتارنے والا نہیں ہوتا تھا۔ کئی کئی دنوں تک لاشیں لٹکتی رہتی تھیں تا کہ عوام الناس کے دلوں میں یہ خوف بیٹھ جائے کہ ہم جو مرضی بنیں مگر عالم نہیں بنیں گے۔

بادشاہی مسجد کے دروازے پر پھانسی کا پھندا لٹکایا گیا۔ ڈیوٹی بدل بدل کر علماء کو یکے بعد دیگرے چوبیس گھنٹے پھانسی دی جاتی تھی۔ ایک عالم کو لٹکایا جاتا، جب تک اس کی لاش پھڑکتی رہتی اس وقت تک لوگ منظر دیکھتے رہتے۔ جب اس کی لاش ٹھنڈی ہو جاتی تو پھر دوسرے عالم کو لٹکایا جاتا۔

باغ (آزاد کشمیر) میں منگ کے علاقے میں اب بھی ایک ایسا درخت موجود ہے جس پر دو حضرات سبز علی اور رملی کو لٹکا کر ان کے زندہ جسم سے کھال

اتار لی گئی تھی۔ اس عاجز کو بعض علماء نے جا کر وہ درخت دکھایا بھی ہے۔

ایک پرتشدد سفر

مولانا جعفر تھانیسریؒ اپنی کتاب ''تاریخ کالا پانی'' میں لکھتے ہیں کہ ہمارا علماء کا ایک قافلہ تھا۔ انگریز نے اس قافلے کو دہلی سے لاہور بھیجا۔ مگر جس انگریز نے دہلی سے لاہور بھیجا اس نے ہمیں فقط ہتھکڑیاں لگائیں لہٰذا ہم بڑے اطمینان سے اللہ اللہ کرتے ہوئے دہلی سے لاہور پہنچ گئے۔ لیکن لاہور جیل کا انچارج بہت ہی جابر اور متشدد قسم کا آدمی تھا۔ اس نے کہا، یہ مولوی آرام کے ساتھ سفر کر کے یہاں آ گئے !!! اب میں ان کو سبق سکھاؤں گا کہ یہ ہمارے ساتھ کیسے غداری کرتے ہیں اور ہمارے نمک حرام بنتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ریل گاڑی کے اندر چھوٹے چھوٹے کیبن بنوائے اور ہر کیبن میں چاروں طرف کیل لگوائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے بیٹھنے کی جگہ کے چاروں طرف ایک ایک دو دو انچ کے فاصلے پر کیل لگے ہوئے تھے۔ ان کیبنوں میں ہمیں بٹھایا گیا۔ جب ریل گاڑی چلتی اور پیچھے جھٹکا لگتا تو ہمارے جسم پر پیچھے کیل چبھ جاتے۔ جب دائیں طرف جھٹکا لگتا تو دائیں طرف کیل چبھ جاتے، جب بائیں طرف جھٹکا لگتا تو بائیں طرف کیل چبھ جاتے۔ چلتی ہوئی گاڑی پر ہمیں پتہ نہیں ہوتا تھا کہ بریک لگنی ہے یا نہیں۔ جب یک دم بریک لگتی تو ہمارے ان زخموں پر پھر کیل چبھتے۔ فرماتے ہیں کہ وہیں پسینہ بھی نکلتا اور خون بھی بہتا۔ سو بھی نہیں سکتے تھے۔ ہمیں انہوں نے لاہور سے ملتان بھیجنا تھا۔ یہ تکلیف دہ سفر ایک ماہ میں طے ہوا۔ اور ہم پورا مہینہ دن کبھی بیٹھے رہتے اور رات کو بھی بیٹھے رہتے۔ اسی جگہ پر ہمارا پیشاب پاخانہ بھی نکل جاتا تھا۔ مگر ہمارے لئے پانی

وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ سے بدبو بھی بہت زیادہ تھی۔ اتنی سخت سزا اس لئے دی کہ ہم تنگ آ کر کہہ دیں کہ جی آپ جو کچھ کہتے ہیں ہم مان لیتے ہیں۔ مگر قربان جائیں ان کی عظمتوں پر کہ انہوں نے یہ تکلیف تو برداشت کر لی مگر انہوں نے فرنگی کی بات کو ماننا پسند نہ کیا۔

فرماتے ہیں کہ ایک مہینہ کے اتنے پر مشقت سفر کے بعد جب ہم ملتان پہنچے تو وہاں پر موجود حاکم نے کہا کہ ان لوگوں کو ہم کل پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیں گے۔ جب ہم نے پھانسی کی خبر سنی تو ہمارے دل خوش ہوئے کہ اب ہمیں اپنا مقصود نصیب ہو جائے گا۔

اگلے دن وہ جب ہمیں پھانسی دینے کے لئے آیا تو اس نے دیکھا کہ ہمارے چہروں پر رونق تھی۔ کیونکہ تھکاوٹ ختم ہو چکی تھی۔ ہمارے تروتازہ چہروں کی رعنائی دیکھ کر وہ کہنے لگا، او ملاؤ! تمہارے چہرے پر مجھے تازگی کیوں نظر آ رہی ہے؟ ہم میں سے ایک نے جواب دیا کہ ہمارے چہرے اس لئے تروتازہ ہیں کہ آپ ہمیں پھانسی دیں گے تو ہمیں شہادت نصیب ہو جائے گی۔ جب اس نے یہ بات سنی تو وہ وہیں سے واپس اپنے دفتر چلا گیا اور اس نے اپنی بڑی اتھارٹیز سے رابطہ کیا اور بتایا کہ یہ تو خوش ہیں کہ ان کو پھانسی دے دی جائے۔

چنانچہ اس نے واپس آ کر اعلان کیا کہ او ملاؤ! تم خوش ہو کر موت مانگتے ہو لیکن ہم تمہیں موت بھی نہیں دینا چاہتے، ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں کالا پانی بھیج دیا جائے۔ اس جگہ پر پہنچ کر مولانا جعفر تھانسیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر لکھا۔ فرماتے ہیں:

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

ایک صبر آزما لمحہ

فرماتے ہیں کہ اس سے بھی بڑی قربانی کا وقت وہ آیا جب وہ ہمیں کالا پانی بھیج رہے تھے اس وقت انہوں نے منصوبہ بندی کے تحت ہمارے بیٹوں، بیٹیوں، بیویوں اور باقی چھوٹے بڑوں کو بلوالیا اور ہمیں زنجیروں میں باندھ کر اور بیڑیاں پہنا کر ان کے سامنے پیش کیا اور ان سے کہا کہ تم انہیں منا لو، اگر یہ کہہ دیں کہ ہم فرنگی کے غدار نہیں ہیں تو ہم انہیں ابھی تمہارے ساتھ گھر بھیج دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اب بیوی بھی رو رہی تھی، بیٹی بھی رو رہی تھی، میرا ایک چھوٹا بیٹا بھی رو رہا تھا اور میرے ساتھ لپٹ کر کہہ رہا تھا کہ ابو! آپ یہ کہہ کیوں نہیں دیتے، بس آپ کہہ کر ہمارے ساتھ گھر چلیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے لئے اس سے بڑا صبر آزما لمحہ کوئی نہیں تھا۔ جب میرا بیٹا بہت زیادہ رویا تو میں نے اپنی بیوی کو اشارہ کیا کہ بچے کو سینے سے لگاؤ اور اس بچے سے کہا، بیٹا! اگر زندگی رہی تو تمہارا باپ تمہیں دنیا میں آ کر ملے گا اور اگر نہ رہی تو پھر قیامت کے دن حوض کوثر پر ہماری ملاقات ہوگی۔

میں سلام کرتا ہوں ان علماء کی عظمت کو، میں سلام کرتا ہوں ان کی استقامت کو جنہوں نے اس قدر قربانیاں دے کر دین کی کشتی کو بحر ظلمات کے بھنور سے محفوظ رکھا اور الحمد للہ ہمارے پاس آج یہ دین محفوظ حالت میں موجود ہے۔

تعلیم نسواں کی اہمیت

آج نوجوان نسل کو دین پہنچانے کا سب سے بہترین طریقہ اپنی بیٹیوں کو دینی تعلیم دلوانا ہے۔ یہ عاجز ذمہ داری سے کہتا ہے کہ اگر کسی بندے کے دو بچے ہوں، ایک بیٹا ہو اور ایک بیٹی ہو اور اس کے وسائل اتنے ہوں کہ وہ ان دو میں سے کسی ایک کو پڑھا سکتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ بیٹی کو دین کی تعلیم پہلے دلوائے، اس لئے کہ

''مرد پڑھا فرد پڑھا، عورت پڑھی خاندان پڑھا''

جب ایک بچی دین کی تعلیم حاصل کر لیتی ہے تو پھر پورے گھر کے ماحول پر اس کا اثر ہوا کرتا ہے۔

لڑکوں کے بگاڑ کی وجہ

آج چونکہ گھروں میں عورتوں میں دینی تعلیم کی کمی ہوتی ہے اس لئے بچے بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔ آج کا باپ بیٹیوں کو آنکھ دکھا کر گھر کا پابند بنا لیتا ہے مگر اپنے بیٹوں پر اس کا کوئی حکم نہیں چلتا۔ جس گھر کو بھی دیکھیں لڑکے باپ کے نافرمان نظر آئیں گے۔ پھر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ پڑھ سکے، نہ نوکریاں کرتے ہیں نہ بات مانتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کو دین نہیں پڑھایا گیا۔

تعلیم نسواں میں ایک بڑی رکاوٹ

آج اگر مدارس میں پڑھنے کے لئے بیٹیاں تیار ہوتی ہیں تو ماں باپ

رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ یونیورسٹی کے ہاسٹل میں ان کو اکیلا رکھتے ہیں حالانکہ وہاں کسی قسم کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی کہ وہاں اس کا کیا معاملہ بنے گا۔ اس کے برعکس پرہیزگاری کے ماحول میں جہاں عورتیں پڑھاتی ہیں وہاں بیٹی کو لانے کے لئے رکاوٹیں ڈالتے ہیں کہ جی لوگ کیا کہیں گے کہ بیٹی کو مدرسے بھیجتے ہیں۔ یہ فقط اپنے اندر کا روگ ہوتا ہے۔ شیطان ایسا کام نہیں کرنے دیتا۔

وراثت نبوی ﷺ کی حفاظت

ہمیں چاہئے کہ ہم اس وقت یہ نیت کر لیں کہ اپنی اولادوں کو باقاعدہ دین کی تعلیم دلوائیں گے۔ اس سے ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس لائی ہوئی نعمت کی حفاظت میں شریک ہو جائیں گے جس کی خاطر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مبارک آنسو بہائے تھے۔ اور جس کی خاطر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک خون بہا۔ اس نعمت کی حفاظت کی وجہ سے ہم بھی قیامت کے دن سرخرو ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کی کمزوری

ہم نہ صرف اپنی اولادوں کو دین کی تعلیم دلائیں بلکہ ان کو دین آگے پہنچانے کی بھی تعلیم دیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، بدء الاسلام غریباً و سیعود غریبا اسلام ابتدا میں بھی بے یارومددگار تھا اور قرب قیامت میں یہ ایک بار پھر بے یارومددگار ہو جائے گا۔ لوگ اس کا یہ معنی سمجھ لیتے ہیں کہ اسلام کمزور ہو جائے گا۔ نہیں نہیں نہیں اسلام کمزور نہیں ہے بلکہ اسلام آج بھی اتنا

ہی طاقتور ہے مگر مسلمان کمزور ہیں...... جو اسلام کا رونا روتا ہے وہ دراصل اپنی مسلمانی کا رونا روتا ہے...... اسلام یقیناً اسی طرح مضبوط اور محفوظ ہے جیسے صحابہؓ کے دور میں محفوظ تھا۔ آج الحمد للہ ہمارے پاس قرآن بھی ہے، ت بھی ہے، حدیث بھی ہے، اور ہر چیز محفوظ بھی ہے۔ لیکن آج یہ چیزیں بے یار و مددگار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی تعلیم کی سرپرستی کے لئے نیچے سے اوپر تک حکومتی لوگ سب تیار ہیں، لیکن مدارس کے لئے کوئی پلاننگ نہیں۔ اب بتائیے کہ دین بے یار و مددگار ہو چکا ہے یا نہیں۔ مسلمانوں کے اپنے گھروں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنتوں کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس پر دکھ کھانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ بیٹا اگر کسی مضمون میں فیل ہو جائے تو باپ اس کو گھر سے نکالنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اگر وہی بیٹا سنت نہیں رکھتا یا فرض نماز نہیں پڑھتا یا مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے نہیں جاتا تو باپ اس کو گھر سے نہیں نکالے گا۔ جو بیٹا کما کر لاتا ہے، حلال یا حرام، وہ ماں باپ کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے۔ آج ہماری یہ حالت ہے۔ اس لئے ہم اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے خود بھی دین سیکھیں اور دوسروں کو بھی دین سیکھنے کی ترغیب دیں۔

حفاظت دین کے قلعے

یہ جامعات آج کے دور میں دین کی حفاظت کے قلعے ہیں، بچوں کے ہیں یا بچیوں کے، ان جامعات سے رابطہ رکھئے اور دینی تعلیم پانے کے لئے اپنی اولادوں کو بھیجئے۔ ان کی ہر طرح سے معاونت کیجئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے

قدموں کو جما دے گا۔ کیا مطلب؟ معاذ اللہ، کیا اللہ تعالیٰ کے خزانے کو چور اور ڈاکو پڑ گئے ہیں جو مدد کی ضرورت پڑی، نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا۔ آج ہر بندہ اللہ کی مدد کو اترتے محسوس نہیں کر رہا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم دین کی مدد نہیں کر رہے۔ اگر یہ دین کی مدد کرتے تو قرآن کہتا ہے کہ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ کہ وہ تمہارے قدموں کو زمین میں جما دیتے۔ تو ہمارے لئے دین و دنیا کی کامیابی اسی میں ہے کہ ہم خود بھی دیندار بنیں اور اپنے بچوں کو بھی دیندار بنانے کی کوشش کریں۔

اللہ رب العزت ہم سب کا یہاں آنا قبول فرمالے اور اس کے بدلے ہمیں اپنے بخشش کیے ہوئے گناہگاروں میں شامل فرمالے۔ (آمین ثم آمین)

و آخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العلمین۔

استقامت کی
فضیلت

کچھ چیزیں وزن میں اتنی ہلکی ہوتی ہیں کہ وہ پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہیں مثلاً کاغذ، لکڑی اور گھاس پھوس وغیرہ۔ لیکن کچھ چٹانیں ہوتی ہیں جو پانی کے ساتھ بہتی نہیں ہیں بلکہ وہ پانی کا رخ موڑ دیتی ہیں۔ ہم مؤمن ہیں اس لئے ہم گھاس پھوس اور تنکے نہ بنیں بلکہ ہم چٹان بن جائیں اور بہتے ہوئے پانی کا رخ پھیر دیں۔

استقامت کی فضیلت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ o نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ وَ لَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَ لَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ. نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍo

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

شریعت پر چلنے میں تین رکاوٹیں

شریعت و سنت کے راستے پر چلتے ہوئے انسان کو تین قسم کی رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ سب سے پہلے نفس کی طرف سے رکاوٹ ہوتی ہے۔ نفس چاہتا ہے کہ میری ہر خواہش پوری ہو۔ جس طرح چھوٹا بچہ ضد کرتا ہے کہ میری ہر بات پوری ہونی چاہیے اسی طرح انسان کا نفس بھی ہر کام میں ضد کرتا ہے کہ میری چاہت پوری ہونی چاہیے۔

دوسری رکاوٹ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ بھی نیکی کے راستے سے ہٹا کر انسان کو گناہ کے راستے پر لگاتا ہے۔ وہ روڑے اٹکاتا ہے اور گناہوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ وہ رشوت لینے والے کے دل میں

ڈالتا ہے کہ تم یہ رشوت اپنے لئے تو نہیں لے رہے، آخر بیوی بچوں کا پیٹ پالنا بھی تو فرض ہے، گویا اس کے سامنے وہ گناہ کو ہلکا کر کے پیش کرتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا ہے مگر وہ انسان کے ذہن میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تو نے مصلحتاً جھوٹ بولا ہے۔ یہیں سے آدمی کی ''مصلحتاً'' جھوٹ بولنے کی عادت بن جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کا نام ''جھوٹوں کے دفتر'' میں لکھوا دیتے ہیں۔ شیطان کے گُر ہر بندے کی مناسبت سے ہوتے ہیں۔ دنیادار کے لئے اس کی مناسبت سے اور دیندار کے لئے اس کی مناسبت سے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان ایک ایسا دشمن ہے جو نہ تو رشوت قبول کرتا ہے اور نہ ہی کوئی سفارش قبول کرتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ شیطان کو رشوت دے دیں اور وہ آپ کی جان چھوڑ جائے یا آپ تھوڑی دیر کے لئے اس کی خوشامد کر لیں اور وہ کہے کہ اچھا، آج کے بعد میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔

تیسری رکاوٹ انسانوں کی طرف سے آتی ہے۔ کبھی رشتہ دار دین کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ کسی کی شخصیت یا اس کی شکل وصورت اچھی لگی اور وہ دل میں بس گیا۔ اب سارا دن اسی کی سوچیں غالب رہتی ہیں۔ روگ پالا ہوتا ہے اور دن رات اسی خیال میں مر رہے ہوتے ہیں۔ کسی کو خواہشات نفسانی کی وجہ سے بھائی بنایا مگر وہ قصائی ہوتا ہے۔ کبھی اہل خانہ دین کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ کئی نوجوان چاہتے ہیں کہ ہم سنت کے مطابق اپنا چہرہ بنائیں مگر ان کی بیوی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ کئی ماں باپ نہیں چاہتے کہ گھر میں ٹی وی ہو لیکن بچے ٹی وی نکالنے ہی نہیں دیتے۔ یہ انسان کو ظاہر

میں بہت ہی قریبی ہوتے ہیں، جگر کے ٹکڑے ہوتے ہیں، آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ دشمنی کررہے ہوتے ہیں کیونکہ شریعت کے خلاف عمل پر آمادہ کررہے ہوتے ہیں۔

ان تینوں رکاوٹوں کو دور کر کے شریعت پر عمل کرتے رہنے کا نام ''مجاہدہ'' ہے۔ یہ مجاہدہ مومن کو ساری زندگی کرنا پڑتا ہے۔

استقامت کا مفہوم

''استقامت'' مطلب ہے ''کسی بات پر ڈٹ جانا، جم جانا، ٹھہر جانا'' اللہ رب العزت کو استقامت بہت زیادہ پسند ہے۔ استقامت تو یہ ہوگئی کہ مسجد میں بیٹھ کر توبہ کی، پھر مسجد کے باہر قدم رکھا تو بھلے بازار میں شکلیں اور صورتیں نظر آرہی ہوں مگر وہ ان کی طرف دھیان ہی نہ دے اور سوچے کہ میں نے اب سچی پکی توبہ کرلی ہے اس لئے میری آنکھ اب کسی نامحرم کی طرف نہیں اٹھے گی۔ اسی طرح ارادہ کرلیا کہ جھوٹ نہیں بولنا، اب ہر مصلحت کو ایک طرف رکھ دے اور جھوٹ نہ بولے۔ شیطان کہتا ہے کہ مصلحت ہے، جھوٹ بولو گے تو فائدہ ہوگا جب کہ رحمٰن کا وعدہ یہ ہے کہ سچ بولو گے تو فائدہ ہوگا۔

مشائخ کے ساتھ نسبت کی برکت

آج اس استقامت کی کمی ہے۔ سالکین اکثر اپنے حالات سناتے ہیں کہ توبہ تو کرتے ہیں مگر وہ توبہ چند دن بھی ساتھ نہیں دیتی۔ بار بار توبہ ٹوٹتی رہتی ہے۔ یہ بھی ایک اچھی علامت ہے کہ بار بار توبہ تو کرتے ہیں۔ یہ مشائخ کے ساتھ نسبت کی برکت ہوتی ہے کہ بار بار توبہ کرنے کی توفیق ملتی رہتی ہے۔

کیونکہ چنگاری اندر ہی اندر سلگ رہی ہوتی ہے، انہیں گناہ میں سکون نہیں ملتا، ان کا ضمیر ملامت کر رہا ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں برا کر رہا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی شاخ ہری ہے۔ جس طرح زمین میں لگا ہوا پودا ہرا ہو تو امید ہوتی ہے کہ اس کی کونپلیں پھوٹ آئیں گی، بالکل اسی طرح جس کا رابطہ اپنے مشائخ کے ساتھ پکا ہو اس کی شاخ ہری ہوتی ہے۔ اس پر کسی وقت بھی کونپل پھوٹ سکتی ہے، استقامت کی زندگی گزارنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی مدد اترتی ہے۔ یاد رکھیں کہ جس آدمی میں استقامت نہیں ہوتی وہ اللہ کی نظر میں مردود ہوتا ہے۔

درخت کے ساتھ ایک عجیب مکالمہ

ایک مرتبہ حضرت سری سقطیؒ جا رہے تھے، دوپہر کا وقت تھا، انہیں نیند آئی۔ وہ قیلولہ کی نیت سے ایک درخت کے نیچے سو گئے۔ کچھ دیر لیٹنے کے بعد جب ان کی آنکھ کھلی تو انہیں ایک آواز سنائی دی۔ انہوں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ اس درخت میں سے آواز آ رہی تھی جس کے نیچے وہ لیٹے ہوئے تھے۔ جی ہاں، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو ایسے واقعات رونما کر دیتے ہیں۔ درخت انہیں کہہ رہا تھا، یا سری ! کن مثلی ،اے سری! تو میرے جیسا ہو جا۔ وہ یہ آواز سن کر بڑے حیران ہوئے۔ جب پتہ چلا کہ یہ آواز درخت سے آ رہی ہے تو آپ نے اس درخت سے پوچھا، کیف اکون مثلک کہ اے درخت! میں تیرے جیسا کیسے بن سکتا ہوں؟ درخت نے جواب دیا، ان الــــذیـــن یرمونني بالاحجار فارمیهم بالاثمار اے سری! جو لوگ مجھ پر پتھر پھینکتے ہیں میں ان لوگوں کی طرف اپنے پھل لوٹاتا ہوں۔ اس لئے تو بھی میرے جیسا بن

جا۔ وہ اس کی یہ بات سن کر اور بھی زیادہ حیران ہوئے۔ مگر اللہ والوں کو فراست ملی ہوتی ہے لہٰذا ان کے ذہن میں فوراً خیال آیا کہ اگر یہ درخت اتنا ہی اچھا ہے کہ جو اسے پتھر مارے، یہ اسے پھل دیتا ہے تو پھر اللہ رب العزت نے درخت کی لکڑی کو آگ کی غذا کیوں بنایا؟ لہٰذا انہوں نے پوچھا کہ اے درخت! اگر تو اتنا ہی اچھا ہے تو فکیف مصیرک الی النار ؟ یہ بتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے آگ کی غذا کیوں بنا دیا؟ اس پر درخت نے جواب دیا، اے سری! میرے اندر خوبی بھی بہت بڑی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک خامی بھی بہت بڑی ہے۔ اس خامی نے میری اتنی بڑی خوبی پر پانی پھیر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو میری وہ خامی اتنی ناپسند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آگ کی غذا بنا دیا۔ میری خامی یہ ہے کہ فاملیت بالھوا ھکذا جدھر کی ہوا چلتی ہے میں ادھر کو ہی ڈول جاتا ہوں، یعنی میرے اندر استقامت نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو استقامت کا حکم

کئی لوگ تو اس بات کے مصداق ہوتے ہیں

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

وہ بیچارے رسم و رواج کے مطابق چل رہے ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے استقامت کی زندگی گزاریں۔ شریعت ہمیں اسی چیز کا حکم دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حم سجدہ: ۳۰) پھر وہ اس بات پر جم گئے۔ نہ صرف یہی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو فرماتے ہیں فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ آپ اس بات

پر ڈٹ جایئے جس کا آپ کو حکم دیا، اور جو آپ کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں وہ بھی ڈٹ جائیں۔

قرآن اور عزت

جو بندہ استقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل پیرا ہونے کے لئے ڈٹ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پشت پناہی فرماتے ہیں۔ قرآن عظیم الشان ہماری عزتوں اور غلبے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا جو فرد قرآن مجید پر عمل کرے گا وہ فرد عزتیں پائے گا اور جو جماعت اس پر عمل کرے گی وہ جماعت عزتیں پائے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور اسباب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے پاس اسباب میں سے بہت ہی معمولی چیزیں پاس ہوتی تھیں۔ مگر کتنی عجیب بات ہے کہ وہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار کھڑے ہوتے تھے۔ پورے لشکر کے پاس دو تلواریں تھیں، کچھ ایسے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں درختوں کی ٹہنیاں تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے میدان میں جب ہم نے کفار کے نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے تو ہمیں یوں محسوس ہوا کہ ہمیں تو موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے۔ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَ ھُمْ یَنْظُرُوْنَ (الانفعال:٦) لیکن اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے حوصلے پست نہ کئے بلکہ استقامت کے ساتھ لڑنے کی توفیق عطا فرمائی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت زیادہ آزمایا۔ علماء نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش پہلی امتوں کی آزمائشوں سے بہت زیادہ تھی۔ اسی لئے پھر ان کو انعام بھی پہلی امتوں کی نسبت زیادہ ملا۔ عام دستور بھی یہی ہے کہ جب پیپر سخت ہوتا ہے تو پھر انعام بھی بڑا ہوتا ہے۔ پہلی امتوں پر جو آزمائشیں آئیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کو اتنا آزمایا گیا کہ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰهِ (البقرہ: ۲۱۴) ان پر تنگ دستی اور پریشانی اتنی آئی اور اتنا جھنجھوڑا گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ جو ایمان لانے والے تھے وہ سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ جان لو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔ یعنی ان کو اتنا آزمایا گیا کہ ان کے لئے زُلۡزِلُوۡا کا لفظ استعمال کیا گیا۔

ایک آزمائش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی آئی اس آزمائش کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مؤمنوں پر ایک ایسا وقت آیا کہ وَ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش پہلی امتوں کی آزمائش کی نسبت زیادہ تھی۔ کیونکہ ان کے لئے ایک لفظ زلزلوا استعمال کیا گیا مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے تین الفاظ استعمال کئے گئے چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان بھی بڑا تھا اس لئے ان کو انعام بھی بڑا ملا۔

گرتے وقت تھامنے والی ذات

استقامت کے ساتھ شریعت مطہرہ پر عمل کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ کیسے

مدد فرماتے ہیں؟ اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک چھوٹے سے بچے کو والد کھڑا کر کے کہتا ہے کہ بیٹے! میرے پاس آئیے۔ والد کو پتہ ہے کہ یہ کمزور ہے اور کم عمر ہے۔ اسے یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ یہ گر جائے گا۔ لہٰذا والد تیار ہوتا ہے کہ اگر یہ قدم اٹھائے گا اور میری طرف آنے کی کوشش کرے گا تو میں اس کو گرنے نہیں دوں گا۔ اس لئے جب بچہ قدم اٹھاتا ہے اور گرنے لگتا ہے تو والد اس کو فوراً اٹھا کر سینے سے لگا لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت بھی بندے کو اپنی طرف بلاتے ہیں کہ شریعت کے راستے پر چلتے ہوئے میرے پاس آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے کہ اس راستے میں تین رکاوٹیں بھی ہیں اور ان رکاوٹوں کی وجہ سے بندہ گر بھی سکتا ہے لیکن اگر یہ میری طرف آنے کی نیت ٹھیک کر لے گا اور پھر نیک نیتی کے ساتھ قدم اٹھائے گا تو پھر میں اس بندے کو گرنے نہیں دوں گا بلکہ گرنے سے پہلے پہلے اپنے اس بندے کو اپنا وصل عطا فرما دوں گا۔

استقامت کے سامنے پہاڑ کی حیثیت

ہمارا کام نیک نیتی کے ساتھ شریعت کے راستے پر قدم اٹھانا ہے۔ اگر ہمارے راستے میں رکاوٹوں کے پہاڑ بھی آئیں گے تو اللہ رب العزت ان پہاڑوں کو بھی ہٹا دیں گے۔ ایک آدمی نے خواب دیکھا، اسے کہا گیا کہ اگر تم اللہ کے راستے میں نکلو اور تمہیں جو چیز سب سے پہلے نظر آئے اور اگر تم اسے کھا لو تو تمہیں بڑے درجات مل جائیں گے۔ اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اس کی نیت کر لی۔ لہٰذا جب وہ صبح اٹھ کر شہر سے باہر نکلا تو اس کی پہلی نظر پہاڑ پر پڑی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ میں پہاڑ کو تو نہیں کھا سکتا لیکن خواب میں شرط یہ تھی کہ جو چیز پہلی دفعہ نظر آئے اگر اس کو کھاؤ گے تو تمہیں بڑے درجات

ملیں گے۔ کبھی تو اس کے دل میں خیال آتا کہ میں پہاڑ کو کھا ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا مجھے آگے جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور کبھی خیال آتا کہ نہیں، جانا میرا کام ہے، اللہ تعالیٰ آسان کر دیں گے۔ چنانچہ وہ آدمی چلتا رہا، چلتا رہا لیکن اللہ کی شان کہ وہ جیسے جیسے پہاڑ کی طرف قدم اٹھاتا رہا ہر قدم پر پہاڑ چھوٹا ہوتا گیا حتیٰ کہ جب یہ شخص قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہاں گڑ کی ایک چھوٹی سی ڈلی پڑی ہوئی تھی۔ اس نے اسے اٹھا کر منہ میں ڈال لیا...... تو استقامت کے ساتھ قدم اٹھانے پر اللہ تعالیٰ پہاڑ کو بھی گڑ کی ڈلی بنا دیتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا راز

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ بات اتر چکی تھی کہ رکاوٹوں کو دور کرنے والی ذات ہمارے ساتھ ہے اس لئے وہ رکاوٹوں کو رکاوٹیں ہی نہیں سمجھا کرتے تھے۔ ان کا کام بس اللہ کے راستے میں قدم اٹھانا ہوتا تھا۔ اسی لئے ان کو پھر کامیابیاں بھی ملتی تھیں۔

بات کیا تھی کہ نہ قیصر و کسریٰ سے دبے
چند وہ لوگ کہ اونٹوں کو چرانے والے
جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکہ
بن گئے دنیا کی تقدیر بدلنے والے

اس لئے کہ ان کو اللہ کے وعدوں پر پورا یقین تھا

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے

اسی استقامت کی وجہ سے فتوحات کے دروازے کھلے اور اللہ تعالیٰ نے

ان کو فاتح عالم بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد آنے کی نشانی

میرے دوستو! آج بھی وہی قرآن ہے اور وہی اللہ کا فرمان ہے۔ اگر ہم شریعت پر استقامت کی زندگی گزاریں گے تو اللہ رب العزت ہمیں بھی کامیابیاں عطا فرمائیں گے۔ کفار کی یہ گیدڑ بھبکیاں ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں۔ جب اللہ رب العزت کی مدد کسی پلڑے میں آتی ہے تو پھر اس پلڑے کو پوری دنیا سے بھاری بنا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے آنے کی نشانی یہ ہے کہ جب اس کی مدد آتی ہے تو پھر کشتی کو دریا کی لہروں کے بے رحم تھپیڑوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیتے بلکہ اس کشتی کو کنارے لگا دیتے ہیں۔ لہٰذا ایمان والوں کو چاہئے کہ عضوا علیہ بالنواجز کے مصداق شریعت کے راستے پر ڈٹ جائیں اور اپنے دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ اس کو تھام لیں۔ لوگ کہیں گے کہ بھوکے مر جاؤ گے، آپ ان سے کہیں کہ ہرگز نہیں، ہمیں رزق دینے والا بھی اللہ ہے اور مدد دینے والا بھی اللہ ہے، اگر پوری دنیا کے کفار بھی اکٹھے ہو کر آ جائیں تو وہ ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مارنے والوں سے بچانے والا بڑا ہے۔

غزوۂ احزاب میں کفار کی رسوائی

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک زمانے میں غزوۂ احزاب میں بھی ایسا ہی ہوا۔ مکہ والے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے چلے اور راستے میں جو قبیلہ ملتا اسے ساتھ لے لیتے۔ اسے کہتے کہ ہمارے ساتھ چلو، اگر نہیں چلو گے تو

پھر ہم تم سے بھی جنگ کریں گے۔ اس لئے لوگ ڈر کی وجہ سے ساتھ چل پڑتے۔ اس طرح بہت سے قبائل ان کے ساتھ مل گئے۔ ادھر جب مدینہ منورہ میں رہنے والے یہودیوں نے سنا تو وہ مسلمانوں کی خواہ مخواہ خیر خواہی کے لئے انہیں آ کر مشورے دیتے کہ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ (آل عمران:۱۷۳) لوگ تمہارے لئے جمع ہو کر آ رہے ہیں یعنی عالمی برادری جمع ہو کر آ رہی ہے، کچھ سوچ لو ورنہ وہ تمہارا نام ونشان تک مٹا دیں گے اور تمہارے لئے زمین تنگ کر دیں گے۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب سنا تو پریشان ہونے کی بجائے ان کے ایمان بڑھ گئے۔ قرآن مجید اس کی گواہی دیتا ہے کہ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا (الاحزاب:۲۲)

کفار مکہ نے آ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گھیراؤ کر لیا۔ حتیٰ کہ ایک مہینہ تک گھیراؤ رکھا۔ ان کے دلوں میں غیض وغضب کی یہ حالت تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ ہم مسلمانوں کو کچا چبا جائیں۔ جیسے آج بھی کافر کہتے ہیں کہ تمہیں ہمارے غیض و غضب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس وقت بھی وہ اسی طرح غیض وغضب لے کر آئے تھے۔ لیکن کیا ہوا؟ اللہ رب العزت قرآن پاک میں بڑے عجیب انداز میں فرماتے ہیں رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ (الاحزاب:۲۵) اور اللہ نے ان کافروں کو ان کے غیض وغضب کے ساتھ ناکام واپس لوٹا دیا۔ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ان کے پلے ٹھینگا بھی نہیں آیا۔

ایمان کی جانچ پڑتال کا وقت

ایک بات ذہن میں رکھیں کہ ہم اپنے دشمنوں کو نہیں جانتے مگر اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ارشاد فرماتے ہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ

(النساء:۴۵) اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو جانتے ہیں۔ ہمیں کیا پتہ کہ کون ظاہر میں ہمارا دوست بن رہا ہے اور اندر اندر سے ہماری جڑیں کاٹ رہا ہے اور ہمیں ہی چاروں طرف سے گھیر رہا ہے۔ اس آیت کے ساتھ ہی ایک خوشخبری سنادی، فرمایا، وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (النساء:۱۴۱) اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں تک پہنچنے کا راستہ ہرگز نہیں دیں گے۔ جیسے بچے کو کوئی مار رہا ہو اور اوپر سے اس کا باپ آ جائے تو وہ کہتا ہے کہ پہلے مجھ سے بات کرو، پھر بچے کو ہاتھ لگانا۔ اللہ تعالیٰ بھی یہاں یہی فرما رہے ہیں کہ اے ایمان والو! تمہارا دشمن پہلے مجھ سے بات کرے گا۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم ادھر جاؤ گے تو میری لاش سے گزر کر جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے میں تمہارا مقابلہ کروں گا، پھر تمہارا قدم آگے بڑھ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ کافر تمہاری طرف آئیں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے تک پہنچنے کا راستہ ہرگز نہیں عطا کریں گے۔ تو جب اللہ تعالیٰ ہمیں تسلیاں دے رہے ہیں تو پھر ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہی تو ایمان کی جانچ پڑتال کا وقت ہوتا ہے۔ جو کمزور یقین والے ہوتے ہیں وہ کفار کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈر جاتے ہیں اور جو ایمان والے ہوتے ہیں وہ ان کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے خوش نصیب مجاہدین کے لئے ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصف:۴) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو اللہ کے راستے میں ایسے قتال کرتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جوانمردی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے حالات پڑھ کر حیرانی ہوتی ہے۔ ان کی جوانمردی پر عش عش کر اٹھنے کو دل کرتا ہے۔ ایک مرتبہ مشورہ ہونے لگا کہ اتنے اتنے کافروں کے مقابلہ میں کتنے مسلمانوں کو جانا چاہئے۔ کسی نے کہا، ستر چلے جائیں، کسی نے کہا، چالیس چلے جائیں۔ کسی نے کہا، دس چلے جائیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو وہ کہنے لگے کہ مجھے اکیلے کو بھیج دیں۔ یہ سن کر کسی نے کہا، خالد رضی اللہ عنہ! اس بات سے تو تکبر کی بو آتی ہے۔ وہ فرمانے لگے، ہرگز نہیں کیونکہ میری مثال باز کی سی ہے اور کافروں کی مثال ایسے ہے جیسے جال میں پھنسے ہوئے پرندوں کی سی ہوتی ہے۔ اب پھنسی ہوئی چڑیاں باز کا کیا بگاڑ سکتی ہیں؟ پھر وہ فرمانے لگے کہ کافر مردہ ہے اور مومن زندہ ہے، اس لئے لاکھوں مردے مل کر بھی ایک زندہ آدمی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ واقعی ان پر ایسی مدد اتری کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیاب فرما دیا۔

"فتوح الشام" کا مقام

علامہ واقدی کی ایک کتاب کا نام "فتوح الشام" ہے۔ اب تو اردو زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ آج کل کے ہر نوجوان کو یہ کتاب پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس میں صحابہ کرام کے ایسے عظیم الشان واقعات بیان کئے گئے ہیں کہ ان کو پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ ایمان کا پتہ چل جاتا ہے کہ ایمان کہتے کس کو ہیں۔ یاد رکھیں کہ اللہ کی مدد کے واقعات پڑھ کر اللہ کے وعدوں پر

انسان کا یقین مضبوط ہو جاتا ہے۔ حیران ہوتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ان حضرات کی کیسے مدد فرمائی۔ اس حوالے سے ''فتوح الشام'' کی کتاب کو بڑا مقام حاصل ہے۔

علمائے کرام کی ذمہ داری

میرے دوستو! اس راستے میں رکاوٹیں آتی ہیں لیکن ان رکاوٹوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ قدم آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی ایمان والوں کا راستہ نہیں روک سکتا۔ ہمارا کام ہے ہمت کے ساتھ قدم آگے بڑھانا اور اللہ کے وعدوں پر بھروسہ رکھنا۔ ایک طرف دنیا کے خزانوں کے منہ کھل رہے ہیں اور دوسری طرف اللہ کا وعدہ ہے کہ رزق میرے ذمے ہے اور دنیا بھی میں نے رزق دینا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم دنیا کے پیچھے نہ بھاگیں بلکہ اپنے پروردگار کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ حالات کچھ بھی پلٹا کھا سکتے ہیں مگر علماء کا یہ کام ہے کہ وہ خود بھی شریعت پر جمے رہیں اور لوگوں کو بھی شریعت پر جمے رہنے کی تلقین کریں۔ کیونکہ اگر علماء کے اندر استقامت ہوگی تو پھر عوام کے اندر بھی استقامت پیدا ہو جائے گی۔ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

پہلے بھی جب امت پر ایسا وقت آیا تو علماء نے ہی قدم اٹھایا اور اللہ رب العزت نے ان کی برکتوں سے امت کو آزمائشوں میں سے نکالا۔ جو آزمائشیں اب آ رہی ہیں ان آزمائشوں میں بھی اللہ تعالیٰ علماء کو ہی سبب بنائیں گے۔ یہی قدم اٹھائیں گے اور ہمارے لئے ان مشکلات سے نجات کا سبب بن جائیں گے۔ اس لئے علماء کو چاہیئے کہ وہ قرآن وسنت کو سامنے رکھیں۔ کیونکہ قرآن کی رو سے ان پر یہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وَ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۔ اللہ والوں اور علماء جن کو حکم دیا گیا تھا کتب اللہ کی حفاظت کا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (آل عمران:۱۴۶) کہ کتنے ہی انبیاء ایسے گزرے جن کے ساتھ مل کر علماء صلحا نے قتال کیا۔ پھر نتیجہ یہ نکلا کہ فَمَا وَهَنُوْا نہ ان کے اندر وہن پیدا ہوا وَ مَا ضَعُفُوْا اور نہ ہی ان کے اندر کمزوری پیدا ہوئی۔ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ایسے صبر والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔

علماء کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ استقامت کا مظاہرہ بھی کریں اور راتوں کو اللہ کے حضور معافیاں بھی مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں یہی تو فرمایا ہے۔

> وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران:۱۴۷)
> (اور نہیں تھی ان کی بات سوائے اس کے کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور ہماری زیادتیاں بخش دے اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرمادے اور ہمیں کافرین پر غلبہ عطا فرمادے)

یوں اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگیں کہ اے اللہ! ہمارے کسی گناہ کے سبب یہ مدد رک نہ جائے۔ گویا دن کے وقت سب علماء لشکر غزیٰ بن جائیں اور رات کے وقت لشکر دعا بن جائیں تاکہ کفر کو پتہ چل جائے کہ اس کو ایمان والوں سے واسطہ پڑا ہے۔ بلکہ اسے پتہ چل جائے کہ اسے نر بندوں سے واسطہ پڑا ہے۔

ایسے موقعوں پر زنانہ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ایمان والے اللہ سے مانگیں گے تو

فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (ال عمران:۱۴۸)

(اللہ تعالیٰ دنیا کا حصہ بھی عطا فرمادیں گے اور آخرت کا بھی اور اللہ تعالیٰ تو نیکوکاروں سے محبت فرماتے ہیں)

علمائے کرام کی محترم جماعت! ایسے حالات میں اللہ رب العزت کی ذات پر نظر رکھئے۔

لوہے کے چنے

جس دن قرآن پاک کی آخری آیتیں اتریں اسی وقت یہ آیتیں بھی اتریں کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ (المائدہ:۳) آج کے دن یہ کفار تمہارے دین سے ناامید ہو چکے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ یوں فرمانا چاہتے ہیں کہ آج کے دن ان کفار کو یہ پتہ چل گیا کہ یہ مسلمان لوہے کے چنے ہیں اور ان کو چبانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَلَا تَخْشَوْهُمْ ان سے نہیں ڈرنا وَاخْشَوْنِیْ بلکہ ایک مجھ سے ڈرتے رہنا۔ جب ہمارے دل میں ایک اللہ کا ڈر ہوگا تو اللہ تعالیٰ دنیا کے ڈر ہمارے دل سے نکال دیں گے۔ جس بندے کے دل میں اللہ کا ڈر نہیں ہوتا وہ پھر اپنے سائے سے بھی ڈرتا ہے، اندھیرے سے بھی ڈرتا

ہے۔رات کو اگر کھڑکی کا پردہ ہل جائے تو اس سے بھی ڈرتا ہے بلکہ وہ بیچارہ تو بلی کی میاؤں سے بھی ڈر جاتا ہے۔ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائیں گے۔ہم ایمان والے ہیں، یاد رکھئے کہ جو ایمان والوں کو آنکھیں دکھائے گا وہ اللہ سے مقابلہ کرنے جائے گا۔حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں من عادلی ولیا فقد اذنتہ للحرب کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کے ساتھ میرا اعلان جنگ ہے۔اب جو کوئی ایمان والوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے گا اللہ اس کی آنکھ نکال دیں گے اور جو انگلی اٹھائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بازو کو ختم فرمادیں گے۔

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کا جہاد

فتوح الشام میں ایک صحابی حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کے بڑے عجیب واقعات ہیں۔میرے خیال میں وہ اس کتاب کے ہیرو ہیں۔ان کے بارے میں کتاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انہیں مسلسل آٹھ گھنٹے جہاد کرنا پڑا بالآخر کفار کے گھیرے میں آگئے۔مسلسل آٹھ گھنٹے جہاد کرنے کی وجہ سے ان کا گھوڑا بھی تھک چکا تھا۔وہ گھوڑے کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے تھے مگر وہ آگے نہیں جاتا تھا۔جب انہوں نے محسوس کیا کہ میرا گھوڑا تھک چکا ہے تو انہوں نے سوچا کہ اب تو میں گرفتار ہو جاؤں گا۔کتاب میں لکھا ہے کہ وہ اس وقت اپنے گھوڑے پر جھکے اور اس کی پیشانی پر محبت کا ہاتھ پھیر کر گھوڑے سے کہا، اے گھوڑے! تو تھوڑی دیر کے لئے میرا ساتھ دے دے، ورنہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضے پر جا کر تیری شکایت کروں گا۔جب انہوں نے

یہ الفاظ کہے تو وہ گھوڑا ہنہنایا اور ایسے دوڑا جیسے کوئی تازہ دم گھوڑا دوڑتا ہے۔ اس طرح وہ گھوڑا ان کو کفار کے نرغے سے نکال کر باہر لے گیا۔ سبحان اللہ۔

کچھ وقت کے بعد وہ گرفتار ہو گئے۔ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ گرفتار ہو چکے ہیں تو وہ بڑے حیران ہوئے۔ اتنے میں کچھ سواران کے پاس آ کر کہنے لگے کہ ہمیں ضرار کے پیچھے جانا چاہئے تاکہ ہم ان کو آزاد کروا کے لائیں۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی بہادری

اسی نیت سے وہ چلے ہی تھے کہ انہوں نے گھوڑے پر سوار ایک ایسے مجاہد کو دیکھا جس نے اپنے چہرے کو چھپایا ہوا ہے۔ اس کے پاس تلوار بھی ہے، نیزہ بھی اور اس کے پاس تازہ دم گھوڑا بھی ہے۔ وہ بھاگ کر کبھی ادھر جاتا اور کبھی ادھر۔ اس کی جوانمردی کو دیکھ کر مجاہد حیران رہ گئے۔

جب یہ سب حضرات دشمنوں کے پاس پہنچے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس تھکے ہوئے لشکر کے ساتھ دشمن پر دوبارہ حملہ کیا۔ انہوں نے کافروں کو گاجر اور مولی کی طرح کترا۔ لیکن انہیں حضرات ضرار رضی اللہ عنہ کا پتہ نہ چلا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کئی مرتبہ کافروں کے نرغے میں آیا لیکن جیسے ہی میں کافروں کے نرغے میں آتا تو میں اس سوار کو دیکھتا کہ وہ دوڑ کر میری طرف آتا اور کافروں کے اس نرغے کو توڑ کر مجھے نکالنے میں مدد کرتا اور کبھی میں اس کو کافروں کے نرغے میں سے نکالتا۔ حتیٰ کہ اس نے تو ایسی بہادری دکھائی کہ میں حیران ہونے لگا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا کون سا مجاہد ہے جو اتنی بہادری اور دلیری سے لڑ رہا ہے؟ فرماتے ہیں کہ کافی دیر

قتال کے بعد جب ہم پھر پیچھے ہٹے تا کہ ہم دیکھیں کہ ضرار رضی اللہ عنہ کا پتہ چلا ہے یا نہیں چلا تو ہم نے دیکھا اس مجاہد کا گھوڑا خون آلود تھا۔ اس نے اتنے کافروں کو قتل کیا کہ اس کا گھوڑا بھی خون سے لت پت تھا، اس کا نیزہ اور تلوار بھی خوان آلود تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اے جوانمرد! تو کون ہے؟ آج تو میں سیف اللہ بھی تیری بہادری پر حیران ہوں؟ لیکن اس مجاہد نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا مگر پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے پھر تیسری مرتبہ کہا کہ میں امیر لشکر ہوں، میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ تو کون مجاہد ہے، تو نے تو ہمیں حیران کر دیا ہے؟

جب تیسری مرتبہ پوچھا تو جواب میں ایک عورت کی آواز آئی۔ وہ کہنے لگی، میں ضرار رضی اللہ عنہ کی بہن خولہ ہوں۔ جب مجھے پتہ چلا کہ میرا بھائی گرفتار ہو چکا ہے تو میں نے آپ سے اس لئے اجازت نہ مانگی تا کہ کہیں آپ انکار نہ کر دیں۔ میں نے تلوار اور نیزہ اٹھایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چپکے سے آپ کے لشکر میں شامل ہو گئی۔ جب بھائیوں پر مصیبت آتی ہے تو پھر بہنیں ان کے کام آیا کرتی ہیں۔ میں اس لئے قتال کرنے کے لئے نکل آئی۔ اب میں آپ سے اجازت چاہتی ہوں تا کہ میں اس جنگ میں آپ کے ساتھ جا کر لڑ سکوں۔

میرے دوستو! جس قوم کی پردے میں بیٹھنے والی عورتوں کی جوانمردی کا یہ عالم ہو، اس قوم کے جوانوں کا کیا حال ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان بڑی نعمت ہے۔ جب ایمان کو سامنے رکھ کر بندہ قدم اٹھا لیتا ہے تو پھر اللہ رب العزت مدد فرما دیتے ہیں۔

گھوڑے کی استقامت

اگر ایک مجاہد کسی گھوڑے کو اس لئے پالتا ہے کہ میں اس پر بیٹھ کر جہاد کروں گا تو وہ گھوڑا پہچانتا ہے کہ مجھے اس لئے کھلایا پلایا گیا تھا کہ میں نے جہاد میں شریک ہونا ہے۔ لہذا جب اس کا مالک زرہ پہن کر اس پر سوار ہو جاتا ہے اور تلوار ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اسے دشمن کے سامنے لا کر کھڑا کرتا ہے تو وہ گھوڑا اگرچہ جانور ہے مگر اس میں اتنی فہم ضرور ہوتی ہے کہ اب اس وعدے کو پورا کرنے کا وقت آ چکا ہے جس کے لئے میرے مالک نے میری خدمت کی تھی۔ چنانچہ گھوڑا تیار ہو جاتا ہے۔ اس کو اپنے سامنے تلواریں اور تیر نظر آ رہے ہوتے ہیں مگر وہ گھوڑا گھبراتا نہیں ہے۔ لہذا جب اس کا مالک اسے بھاگنے کے لئے ایڑھی کا اشارہ کرتا ہے تو وہ گھوڑا بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ بڑھتا چلا جاتا ہے، سامنے دشمن تیر برساتا ہے، مگر تیر و تفنگ اور دشمن کے وار سے اس کے جسم سے خون کے فوارے بھی چھوٹ رہے ہوں تو وہ اس بات کی پروا کئے بغیر دشمن کی صفوں میں گھستا چلا جاتا ہے۔ وہ اپنی جان تو قربان کر دیتا ہے مگر وہ اپنے مالک کے اشارے کی لاج رکھ لیتا ہے۔ اللہ رب العزت کو گھوڑے کی یہ استقامت اتنی پسند آئی کہ اس گھوڑے کے پاؤں سے اڑنے والی مٹی کی بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں قسمیں کھائی ہیں۔ چنانچہ فرمایا، وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا . فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا . فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ○ سبحان اللہ، اے مجاہد! تیری عظمت کو سلام کہ تیرے گھوڑے کے قدموں سے اٹھنے والی مٹی کی بھی میرا پروردگار قسمیں کھا رہا ہے۔ جس پروردگار کو گھوڑے کی جوانمردی اور شجاعت اس قدر پسند آئی کہ وہ قسمیں کھا کر قرآن میں اس کے تذکرے فرماتے ہیں تو

جب مومن شجاعت کا اظہار کریں گے تو اللہ رب العزت کو یہ بات کتنی پسند آئے گی۔

نصرت الٰہی کے وعدے

میرے دوستو! ہمیں بھی اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے قدم آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ دین اسلام کی نصرت کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا وعدے فرمائے ہیں۔ کہیں ارشاد فرمایا، اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد:٦) کہیں ارشاد فرمایا، اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المؤمن:٥١) اور ایک مقام پر اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں و من اصدق من الله قيلا کہ کون ہے اللہ سے زیادہ سچی بات کہنے والا۔ میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں۔ وہ پروردگار یقیناً ہمیں کامیاب فرمائے گا۔

چٹان بننے کی ضرورت

کچھ چیزیں وزن میں اتنی ہلکی ہوتی ہیں کہ وہ پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہیں۔ مثلاً کاغذ، لکڑی اور گھاس پھوس وغیرہ۔ لیکن کچھ چٹانیں ہوتی ہیں جو پانی کے ساتھ بہتی نہیں ہیں بلکہ وہ پانی کا رخ موڑ دیتی ہیں۔ ہم مومن ہیں اس لئے ہم گھاس پھوس اور تنکے نہ بنیں بلکہ ہم چٹان بن جائیں اور بہتے ہوئے پانی کا رخ پھیر دیں۔ کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

یاد کرتا ہے زمانہ ان انسانوں کو
روک دیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

آج کفر اور بے حیائی کا سیلاب بڑھ رہا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم استقامت

کے ساتھ ڈٹ جائیں اور شریعت وسنت کے مطابق زندگی گزاریں۔

حضرت مشاطہ رضی اللہ عنہا کی استقامت

فرعون کے محل میں ''مشاطہ'' نامی ایک عورت فرعون کی بیٹیوں کے بال سنوارا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ فرعون کی بیٹی کے بال سنوار رہی تھی اسی دوران اس کے ہاتھ سے کنگی نیچے گر گئی۔ جب وہ کنگھی اٹھانے لگی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار کا نام لیا۔ جب مشاطہ نے اللہ رب العزت کا نام لیا تو فرعون کی بیٹی سمجھ گئی کہ یہ تو میرے والد کو معبود نہیں مانتی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ پر ایمان رکھتی ہے۔ چنانچہ اس لڑکی نے مشاطہ سے پوچھا، کیا تم میرے والد کو الٰہ نہیں مانتی ہو؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ میرا خدا تو وہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پروردگار ہے۔

جب لڑکی نے مشاطہ کا دوٹوک جواب سنا تو وہ بھاگ کر اپنے باپ کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ آپ کے محل میں آپ کے زیر سایہ رہنے والی عورت آپ کو خدا نہیں مانتی۔ بیٹی کی لگی لپٹی باتیں سن کر فرعون غصے میں آ گیا۔ چنانچہ وہ کہنے لگا، اچھا میں دربار میں جا کر اس عورت کو ایسی عبرتناک سزا دیتا ہوں کہ یا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو الٰہ کہنے سے باز آ جائے گی یا پھر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔

فرعون جب اپنے دربار میں پہنچا تو اس نے اس عورت کو اپنے پاس بلوایا اور کہا، تم موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو الٰہ کہنا چھوڑ دو۔ وہ کہنے لگی، ہرگز نہیں۔ اس نے مشاطہ کو بڑا ڈرایا دھمکایا۔ مگر وہ کہنے لگی، کہ اب تم جو کچھ کر سکتے ہو کر لو، میں پیچھے نہیں ہٹ سکتی فاقض ما انت قاض۔ اس کا یہ دلیرانہ جواب سن کر فرعون

نے انا کا مسئلہ بنالیا۔

چنانچہ فرعون نے کہا کہ اس کو زمین پر لٹا دیا جائے۔ اسے زمین پر لٹا دیا گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں میں کیلیں گاڑ دی گئیں تاکہ وہ حرکت نہ کر سکے۔ اسی دوران وزیر آیا اور اس نے فرعون سے کہا کہ اس کی ایک دودھ پیتی چھوٹی سی بچی بھی ہے، اگر اس کی اس بیٹی کو اس کے سامنے قتل کردو، یہ اپنی مامتا سے مجبور ہو کر آپ کی بات مان جائے گی۔ چنانچہ فرعون نے اس کی دودھ پیتی معصوم بچی کو گھر سے بلوایا اور اسے اس کے سینے پر لٹا دیا۔ وہ بچی ماں کے سینے سے لگ کر دودھ پینے لگ گئی۔ بچی ابھی دودھ پی ہی رہی تھی کہ فرعون نے کہا کہ میں تمہاری اس بچی کو تمہارے ہی سینے پر قتل کر دوں گا۔ وہ اتنی بڑی دھمکی سن کر بھی کہنے لگی کہ اب میرے دل میں اتنا ایمان بھر چکا ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے بیٹی کو خون میں لت پت تڑپتا تو دیکھ سکتی ہوں مگر میں اپنے ایمان کا خون نہیں کر سکتی۔ چنانچہ مشاطہ کے سینے پر ہی اس کی معصوم بچی کی گردن کاٹ دی گئی۔ جس ماں کے سینے پر بیٹی کا خون بہہ رہا ہو اس ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ جب بیٹی ٹھنڈی ہو گئی تو فرعون نے کہا کہ اب ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ اس نے کہا، تم جو مرضی کر لو، میں پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ بالآخر اس عورت کو بھی شہید کر دیا گیا۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی استقامت

فرعون اس کو شہید کروا کر جب گھر پہنچا تو اپنی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگا، آج یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ میں نے ایک عورت کو عبرتناک سزا دے دی ہے۔ اس کی بیوی نے کہا، تیرا ناس ہو، تو نے ایک معصوم بچی کی جان بھی لی

اور ایک بے گناہ عورت کا بھی قتل ناحق کیا۔ فرعون نے کہا، میں نے اس کو اس لئے عبرتناک سزا دی کہ وہ مجھے خدا نہیں مانتی تھی۔ یہ سن کر حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ خدا تو میں بھی تجھے نہیں مانتی، بلکہ تو ایک عام انسان ہے۔

جب فرعون نے یہ سنا تو وہ حیران رہ گیا کیونکہ اسے حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت تھی۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے بڑا حسن و جمال عطا کیا تھا۔ فرعون نے اسے پوری قوم کی عورتوں سے چن کر اس کے حسن کی وجہ سے اپنی بیوی بنایا تھا اس وجہ سے وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ چنانچہ فرعون کہنے لگا، تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ وہ کہنے لگیں، میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں کہ تو جھوٹا ہے، پروردگار تو وہی ہے جس کا پیغام لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔ فرعون نے یہ بات سنی تو اسے بہت غصہ آیا۔ لہٰذا کہنے لگا کہ میں تمہارا بھی وہی حشر کراؤں گا جو میں نے مشاطہ کا کروایا ہے۔ وہ کہنے لگیں، تو جو چاہتا ہے کر لے، میرے ساتھ میرا پروردگار ہے، اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنے پروردگار کو نہیں چھوڑ سکتی، البتہ تیری ہر چیز کو لات مار سکتی ہوں۔

جب اس نے یہ باتیں سنیں تو وہ پھر دربار میں آیا۔ اب پھر اس نے لوگوں کو بلوالیا اور کہنے لگا، دیکھو! یہ کتنی بڑی سازش ہوگئی ہے، موسیٰ (علیہ السلام) نے میری بیوی کو بھی بہکالیا ہے۔ آج میں اس عورت کو یا تو مار ڈالوں گا یا پھر وہ اپنی بات سے ہٹ جائے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو گرفتار کروا کر دربار میں بلوالیا۔ وہ تو ملکہ تھی اور اس کے اشارے پر نوکر چاکر بھاگ بھاگ کر کام کرتے تھے۔ لوگ احترام کی وجہ سے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے

تھے۔ آج وہ فرعون کے دربار میں ملزمہ بن کر کھڑی ہے۔ فرعون نے اسے کہا کہ تو اتنے عالیشان محل میں رہتی ہے، اتنی نعمتوں میں پلی ہے، میں نے تجھے اپنی محبوبہ بنایا ہوا ہے، تجھے اب محل والی ناز ونعمت والی زندگی سے محروم ہونا پڑے گا، بہتر ہے تو اب بھی باز آ جا اور مجھے اللہ مان لے۔ وہ کہنے لگی، اب میں نے ایمان قبول کر لیا ہے لہٰذا میں اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ چنانچہ فرعون نے فیصلہ کر لیا کہ میں اسے بھی سزا دوں گا۔

فرعون نے سب سے پہلے سزا کے طور پر اسے رسوا کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ سب سے پہلے اس عورت کے جسم سے لباس اتار دیا جائے۔ اب بتائیے کہ اگر کسی مرد کو کہا جائے کہ تجھے لوگوں کے درمیان بے لباس کر دیں گے، مرد کو اتنی شرم آتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ زمین پھٹ جائے اور میں اندر اتر جاؤں۔ وہ تو بالآخر عورت تھی اور عورت کے اندر تو اللہ تعالیٰ نے شرم وحیا رکھی ہوتی ہے...... فرعون نے اس کے جسم سے لباس اتروا دیا۔ آپ سوچئے کہ وہ اب کتنی عجیب صورتحال کا شکار ہے۔ ایک طرف ایمان ہے اور دوسری طرف امتحان ہے۔ وہ ڈٹی رہی۔ فرعون نے کہا، اچھا اگر اب بھی نہیں مانتی تو میں تجھے اور طرح کا عذاب دوں گا۔ چنانچہ فرعون نے کہا کہ اس کا منہ میرے محل کی طرف کر کے لٹا دو تا کہ آخری وقت بھی اس کی نگاہیں میرے محل پر لگی رہیں اور اس کے ذہن میں یہ بات رہے کہ میں ان نعمتوں کو ٹھکرا کر ذلیل و خوار ہو کر مر رہی ہوں۔ لہٰذا اسے فرعون کے حکم کے مطابق لٹا دیا گیا۔ اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کی کیلیں گاڑ دی گئیں تا کہ ہل نہ سکے۔

اس کے بعد فرعون نے لوگوں کو بلا کر کہا کہ اس کے جسم سے کھال کو جدا

کرنا شروع کر دو...... اب بتایئے کہ وہ زندہ عورت ہے اور اس کے جسم سے کھال اتاری جا رہی ہے، نازک بدن ہے مگر اس کو برداشت کر رہی ہے، اسے اللہ کے نام پر تکلیف دی جا رہی ہے...... اس طرح اس کے جسم سے کھال اتار دی گئی۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ وہ ابھی تک زندہ تھی، مگر جسم زخم زخم بن چکا تھا۔

فرعون کا دل ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ وہ کہنے لگا، مرچیں لاؤ اور اس کے پورے جسم پر چھڑک دو۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے جسم پر مرچیں ڈال دی گئیں تو وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگ گئیں۔ اس تڑپنے کی حالت میں انہوں نے اللہ رب العزت کے حضور ایک دعا مانگی کہ اے اللہ! فرعون کا محل سامنے ہے، یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں اس محل سے نکال دیا ہے، آج کے بعد تم اس محل میں نہیں جا سکو گی۔ اس لئے رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اے پروردگار! مجھے اس محل کے بدلے میں جنت میں آپ کے پاس ایک گھر چاہئے وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (التحریم:11) اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حال میں ان کو شہادت کے مرتبہ پر فائز فرما دیا۔ سبحان اللہ۔

حضرت مشاطہ رضی اللہ عنہا کا انعام

اللہ رب العزت بھی کیسے قدردان ہیں کہ ان دو عورتوں نے اللہ کے نام پر قربانی دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو قابل رشک اجر دیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ معراج کے وقت جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المقدس کی طرف سفر کر رہے تھے تو راستے میں ایک وادی میں سے خوشبو آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، جبرئیل! جو خوشبو میں یہاں سے سونگھ رہا

ہوں وہ تو بڑی انوکھی خوشبو ہے، یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! فرعون کے محل میں ''مشاطہ'' نامی جوایک نوکرانی تھی، یہاں اس کی قبر ہے۔ یہ خوشبو اس کی قبر سے آ رہی ہے اور آپ کو محسوس ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا انعام

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو کیا انعام ملا؟ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ان کی اہلیہ صاحبہ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا جب آخری لمحات میں تھیں تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، خدیجہ! آپ اللہ تعالیٰ کے پاس جا رہی ہیں، جب جنت میں جاؤ تو وہاں میری بیویوں کو سلام کہنا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حیران ہو کر پوچھا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں آپ کی پہلی بیوی ہوں، مجھ سے پہلے آپ کی کونسی بیویاں جنت میں ہیں؟ میرے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا، دنیا میں آپ میری پہلی بیوی ہیں مگر مریمؑ اور آسیہؓ آپ سے پہلے جنت میں پہنچ چکی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی میری بیویاں بنا دیا ہے۔ سبحان اللہ

دیکھئے کہ اللہ رب العزت کتنے قدر دان ہیں کہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا فرعون کے محل اور اس کی نعمتوں کو لات مارتی ہیں تو اللہ رب العزت ان کو اپنے محبوب ﷺ کی بیوی بنا دیتے ہیں۔ پروردگار! آپ کتنے بڑے قدر دان ہیں کہ جو بندہ آپ کے راستے میں قربانی دیتا ہے آپ اس کی اوقات سے بڑھ کر اسے انعام عطا فرما دیتے ہیں۔ کہاں وہ دنیا میں فرعون کی بیوی تھی اور جنت میں کہاں وہ اللہ کے محبوب ﷺ کی بیوی بن کر زندگی گزارے گی۔

رحمت الٰہی کا سہارا

ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی دین اسلام کی سربلندی کے لئے استقامت کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں ۔ اس طرح اللہ رب العزت کی مدد ہمارے ساتھ ہوگی ۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں آزمائشوں سے محفوظ فرمائے کیونکہ ہم بہت کمزور ہیں ۔ اگر ہم اپنے آپ کو دیکھیں تو واقعی ڈر لگتا ہے ۔ اے اللہ ! ہمارے پلے کچھ نہیں ہے ، بس تیری رحمت کا ہی سہارا ہے ، ہم نے تو فقط کلمہ پڑھا ہے ، اے اللہ ! تو اسی کلمہ کی لاج رکھ لینا ۔ اے اللہ ! یہ تیرے چند بندے جنہوں نے تیری دھرتی پر دین کا نظام قائم کیا آج پوری دنیا ان بے سروسامان بندوں کو ڈرا دھمکا رہی ہے کہ تمہارا نام ونشان مٹا کے رکھ دیں گے ۔ اے اللہ ! ان کے پاس تو تیرے سوا کوئی سہارا نہیں ، میرے مولا ! آپ ان کی پشت پناہی فرما دیجئے اور اپنی مدد کے ساتھ ان کو استقامت نصیب فرما دیجئے ۔ پروردگار عالم ! ہماری زندگیوں کو بھی دین کے لئے قبول فرمالے ، جب تک ہم زندہ رہیں ہم دین پر ہی جمے رہیں اور جب موت کا وقت آئے تو ہمیں بھی شہادت کی موت آئے ۔ (آمین ثم آمین)

و اخر دعونا ان الحمدلله رب العلمين

وہ جو بیچتے تھے
دوائے دل

وہ ہستی آج دنیا سے چلی گئی ہے جن کی دعائیں ہمارے گرد پہرہ دیا کرتی تھیں۔ جس طرح بھیڑ بکریوں کے گلہ کے لئے ایک نگہبان اور محافظ ہوتا ہے اور اس کی موجودگی میں بھیڑیا یا کوئی اور جنگلی جانوران بھیڑ بکریوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اسی طرح شیخ کی موجودگی میں مریدین کے قلوب پر بھی اللہ رب العزت کی رحمت کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا، سایہء مرشد بہتر است از ذکر حق۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى اَمَّا بَعۡدُ!

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ o بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ. وَّ يَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُوالۡجَلَالِ وَ الۡاِكۡرَامِ وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىۡ مَقَامٍ اٰخَرَ اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ o اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ كَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ o لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ فِى الۡاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ o و قال الله تعالىٰ فى مقام اخر يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ o وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّ لٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ o وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ o الَّذِيۡنَ اِذَا اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالُوۡا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ o و قال رسول الله ﷺ المرء مع من احب او كما قال عليه الصلوٰة و السلام.

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ وَ سَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَ الۡحَمۡدُلِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ o

ایک عظیم صدمہ

آج ہم ایک ایسی مجلس میں یہاں اکٹھے ہیں کہ سب کے دلوں پر ایک صدمہ ہے۔ یہ ایک ایسا صدمہ ہے کہ زندگی میں شاید ایسا شدید جھٹکا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آج ہمارے دلوں میں ایک ایسا غم ہے کہ اگر وہ پہاڑوں پر ڈال دیا جائے تو شاید ان کے لئے بھی اٹھانا مشکل ہو جائے۔

رحمت الٰہی کا پہرہ

وہ ہستی آج دنیا سے چلی گئی ہے جن کی دعائیں ہمارے گرد پہرہ دیا کرتی تھیں۔ جس طرح بھیڑ بکریوں کے گلہ کے لئے ایک نگہبان اور محافظ ہوتا ہے اور اس کی موجودگی میں بھیڑیا یا کوئی اور جنگلی جانور ان بھیڑ بکریوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اسی طرح شیخ کی موجودگی میں مریدین کے قلوب پر بھی اللہ رب العزت کی رحمت کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا سایہء مرشد بہتر است از ذکر حق (مرشد سایہ ذکر حق سے بہتر ہے)

حفاظت کے لئے ایک مسنون دعا

حضرت مرشد عالمؒ کی شخصیت رحیم و شفیق ذات تھی۔ ہر آدمی یوں سمجھتا تھا کہ ان کا مجھ ہی سے سب سے زیادہ تعلق ہے۔ ان کے خصائل وفضائل ایک محفل میں تو بیان نہیں کئے جا سکتے البتہ اتنی بات عرض کرتا ہوں کہ یہ ہمارے لئے ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ ہم اس پر صبر کریں **اللھم لا تحرمنا اجرہ و لا تفتنا بعدہ** اس مسنون دعا کے پڑھنے سے اللہ رب العزت ہماری حفاظت

فرمائیں گے۔

شیخ کی جدائی کا غم

مرید کو شیخ کے ساتھ عشق و محبت کا جتنا تعلق ہوتا ہے اسے شیخ کی جدائی کا غم اس کے بقدر ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہر آدمی کی کیفیت جدا ہوتی ہے۔ سلف صالحین جب اس دنیا سے جاتے تھے تو ان کے مریدین و متوسلین پر بھی یہی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ ان کے لئے یہ غم برداشت کرنا مشکل ہوتا تھا۔ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

محبت ہو تو ایسی......!!!

حضرت عمرؓ کی وفات پر حضرت صہیب رومیؓ شدت غم کی وجہ سے اونچی آواز میں رو پڑے اور کہنے لگے واعمراہ، واحبیباہ، وااخاہ دوسرے صحابی نے انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا، جی صبر کریں، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں عمر کی موت پر نہیں رو رہا بلکہ میں اسلام کے ضعف پر رو رہا ہوں۔

ایمان کی بقا کا ذریعہ

بعض ایسی ہستیاں ہوتی ہیں کہ جن کا وجود لاکھوں انسانوں کے ایمان کی بقا کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایسے آدمیوں کا دنیا سے اٹھ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ ایسی شخصیات تو دنیا میں انقلاب کی مانند ہوتی ہیں۔ لیکن

جو بادہ خوار تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

ان کے چلے جانے سے زمین کے وہ ٹکڑے روتے ہیں جہاں پر وہ بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں جہاں سے ان کیلئے رزق اتارا جاتا تھا۔ ان حضرات کی جدائی دل پر ایسا زخم کر جاتی ہے جسے کوئی بھی مرہم مندمل نہیں کر سکتی۔

جب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی وفات ہوئی تو امیر خسروؒ نے ہندی زبان میں چند اشعار لکھے۔ ان میں سے ایک مصرعہ بہت مشہور ہوا۔ فرمایا

چل خسرو گھر آپنے سانجھ پئی سب دیس

اے خسرو! سارے دیس میں ایک تاریکی معلوم ہوتی ہے، تو چل اپنے گھر کی طرف۔

پیر اور مرید کی لازوال محبت

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ پیر تھے اور امیر خسروؒ ان کے مرید تھے۔ ان دونوں میں اتنی محبت تھی کہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ یوں فرماتے تھے کہ اگر شرع شریف کی اجازت ہوتی تو میں یہ وصیت کر جاتا کہ مجھے اور امیر خسرو کو ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے۔

دوسری طرف امیر خسروؒ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں ایک سائل آیا۔ اس نے سوال کیا، اس وقت حضرت کے پاس کچھ نہ تھا۔ لہٰذا حضرتؒ نے اپنے جوتے اسے دے دیئے اور کہا کہ یہی جوتے ہی لے جاؤ۔ جی ہاں جو سخی ہوتے ہیں وہ اپنے در سے کسی کو خالی نہیں جانے دیا کرتے۔

وہ شخص حضرت کے جوتے لے کر جس راستے سے جا رہا تھا امیر خسروؒ اسی

راستے سے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس آ رہے تھے۔ وہ جوتے اس سائل کے پاس دیکھ کر پہچان گئے کہ آج اس سائل کو حضرت کے دربار سے یہ نیاز ملی ہے۔ چنانچہ کہنے لگے، بھائی! کیا تم میرے ساتھ یہ سودا کرنے کے لئے تیار ہو کہ یہ جوتے مجھے دے دو اور میں کچھ پیسے تمہیں دے دیتا ہوں۔ وہ سمجھ گیا چنانچہ کہنے لگا کہ نہیں، بلکہ میں اس کے بدلے آپ سے اتنی زیادہ قیمت لوں گا۔ امیر خسروؒ نے اس کی من مرضی کی قیمت اس کو دے دی اور اپنے شیخؒ کے جوتے لے کر سر پر رکھے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امیر خسروؒ اپنے شیخ کی محبت میں کہتے تھے

من تو شدم تو من شدی من تن شدن تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(کہ میں تو ہو جاؤں اور تو میں ہو جائے اور میں تن بن جاؤں اور تو روح بن جائے تاکہ بعد میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ تو اور ہے اور میں اور ہوں)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا غم

حضرت مرشد عالمؒ کی شفقتیں اور عنایتیں زندگی بھر رلاتی رہیں گی اسی لئے کسی عارف نے کہا:

حال من در ہجر حضرت کم تر از یعقوب نیست
اوں پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

(کہ میرا حال حضرت یعقوب علیہ السلام کے حال سے مختلف نہیں ہے کیونکہ اگر ان کا بیٹا ان سے جدا ہو گیا تھا تو میرے تو باپ مجھ سے جدا ہو گئے)

غور تو کیجیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پر کیا کیفیت گزری تھی، قرآن مجید گواہ ہے کہ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ (یوسف:۸۴) رو رو کر ان کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں ...... کہنے والے نے گویا یوں کہا کہ اگر وہ بیٹے کی جدائی میں اتنا رو سکتے تھے تو باپ کی جدائی میں کوئی کتنا روئے گا۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر شیخ کی وفات کا اثر

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جب فوت ہوئے تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پندرہ دن تک خون کے اسہال آتے رہے۔ ان کو شیخ کے فوت ہونے پر اتنا صدمہ ہوا۔ یقیناً یہ ایک فطری بات ہے کہ جس کا جتنا تعلق زیادہ ہو اس پر جدائی کا اثر بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔

نابغہء عصر شخصیت

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہزاروں خصائل و فضائل والی ذات ہزاروں سالوں میں کوئی پیدا ہوتی ہوگی۔ ان کے تقویٰ، زہد اور علم و عرفان پر عالم اسلام کے مشائخ اور علماء نے مہر ثبت کر دی تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں قبولیت عامہ اور قبولیت تامہ نصیب کر دی تھی۔ ایسی ہستیاں بار بار دنیا میں نہیں آیا کرتیں۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیم از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار آں حبیبے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

معلوم نہیں کہ ایسی نابغہ عصر شخصیت کوئی اور ہوگی یا نہیں۔ اسی مضمون کو ایک اور شاعر نے یوں بیان کیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مرشد عالمؒ کے لیل ونہار کی ایک جھلک

میرے پیر ومرشد ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی انی دعوت قومی لیلا و نھارا کے مصداق اللہ رب العزت کے دین کی سربلندی کے لیے لگا دی۔ ان کے سارے دن کا پروگرام رضائے الٰہی کا حصول ہوتا تھا۔ ان کی ہر وقت کی سوچ ہی یہی ہوا کرتی تھی۔ ان کی سالکین پر ہر وقت نظر ہوتی تھی۔ ہر ایک پر نظر رکھتے تھے۔ روک ٹوک کے ساتھ تربیت کرتے تھے۔ غلطی پر ڈانٹتے بھی تھے اور عیب کی ستر پوشی بھی کرتے تھے۔ ان کے کمالات ایک محفل میں نہیں گنے جا سکتے۔ اگر وہ آج اس محفل میں رونق افروز ہوتے تو محفل کا رنگ ہی جدا ہوتا۔ ان کے منور اور روشن چہرے کو دیکھ کر ہمیں تازگی نصیب ہوتی۔ رحمتیں اور فیوضات نصیب ہوتے۔

صحابہ کرامؓ پر وصال نبوی ﷺ کا اثر

محترم جماعت! یہ صدمہ فقط ہمیں ہی پیش نہیں آیا بلکہ بڑوں کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں لما کان الیوم الذی دخل فیه رسول الله ﷺ المدینة اضاء منها کل شئی و لما کان الیوم الذی مات فیه اظلم منها کل شئی کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ

میں داخل ہوئے تو مدینہ کی ہر چیز منور ہو گئی اور جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو مدینہ منورہ کی ہر چیز پر ظلمت نازل ہونے لگی۔ پھر آگے ایک اور بات کہی فرمایا و ما تقضاایدینا عن التراب و انا لفی دفنه ﷺ حتی انکرنا قلوبنا اور ہم نے ابھی رسول اللہ ﷺ کی دفن کی مٹی سے ہاتھ نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کی کیفیت کو بدلتے دیکھ لیا۔ یعنی وہ انوارات و فیوضات نبوت جو حیات مبارکہ میں نصیب ہوتے تھے ان میں تبدیلی آ گئی۔ آج ہمارے اوپر بھی یہی کیفیت ہے یہ ایک فطری امر ہے۔

اسوۂ رسول ﷺ اپنانے کی تلقین

جب کوئی مفسر یا محدث یا فقیہ فوت ہوتے اور ان کے مریدین اکٹھے ہوتے تو وہ بیٹھتے اور ایک دوسرے سے ملتے وقت یہ آیت پڑھتے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ میں بہترین نمونہ ہے۔ اس پر ایک شاعر نے شعر لکھے۔ وہ فرماتے ہیں

اصبر لكل مصيبة و تجلد
و اعلم بان المرء غير مخلد
و اصبر كما صبر الكرام فانها
نوب تنوب اليوم تكشف في غد
فاذا اتتك مصيبة يشجى بها
واذكر مصاتك بالنبي محمد

{ کہ تجھ پر کوئی بھی مصیبت اور پریشانی آئے تو تو اس پر صبر کر اور تو جان لے کہ

کوئی بھی انسان ہمیشہ رہنے والا نہیں بنا اور تو صبر کر کہ جیسا کہ اکرام اور بزرگی والے لوگ صبر کرتے رہے اس لئے کہ مصیبت اگر آج آتی ہے تو بالآخر کل یہ چلی جائے گی اور اے مخاطب! اگر تجھ پر کوئی ایسی مصیبت آ جائے جس کی وجہ سے منہ کھلا کا کھلا رہ جائے تو یاد کر اس مصیبت کو جو حضرت محمد ﷺ کی وفات کی وجہ سے (صحابہ کو) پیش آئی۔ رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم سے بڑا کوئی غم بھی مومن کو پیش نہیں آ سکتا﴾

انقلاب لانے والی شخصیات کا طرز عمل

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس جدائی میں رو رو کر برا حال کر لیں؟ کیا آنسو بہاتے چلے جائیں۔ کیا آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برستی چلی جائیں؟ اور کیا ہم اسی طرح مغموم حالت میں اپنا وقت گزارتے رہیں؟ نہیں بلکہ ہمیں اس غم پر صبر کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے شیخ نے ہمیں کیا تعلیمات دی ہیں۔ دنیا میں جو بھی ہستیاں دنیا کو سنوارنے والی ہوتی ہیں ان کی محنتیں اور کوششیں محض انفرادی نہیں ہوا کرتیں بلکہ انقلاب لانے والی یہ شخصیتیں لوگوں کو ایک لائحہ عمل دیا کرتی ہیں۔ اور ان کے اندر اس محنت کی جڑیں اتنی گہری کر دیتے ہیں کہ جب وہ اس دنیا میں نہیں بھی رہتے تو ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے اس راستے کے اوپر گامزن رہا کرتے ہیں۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا بصیرت آموز خطاب

یہی بات تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی ایسی تربیت کی کہ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو صحابہ کرام اس غم کی وجہ سے حواس کھو

بیٹھے۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی ہاتھ میں تلوار لے کر کہنے لگے کہ جس نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضور ﷺ تو اپنے آقا سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کی تعلیمات بھی ان کے سامنے تھیں، ایک راستہ متعین کر دیا گیا تھا۔ ایک دستور العمل تھا جس کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ اسی لئے سیدنا صدیق اکبرؓ کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ کی اس کیفیت پر اس طرح غلبہ پایا کہ اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہنے لگے، لوگو، سنو! اگر تم رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرتے تھے تو محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں اور اگر تم اللہ کی عبادت کرتے تھے تو اللہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اللہ اکبر

فرمایا وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاءِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔

صحابہ کرامؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت ہم پہلے بھی پڑھتے تھے لیکن برموقع اور برمحل اس کی تلاوت سے ہمیں یوں معلوم ہوا جیسے قرآن کی یہ آیات آج ہم پر نازل ہو رہی ہیں۔

گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
ترے وجود پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب

جب تک کتاب نازل ہونے والی کیفیت نہ بنا کرے تب تک یہ گرہ نہیں کھلا کرتی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے نائب ہونے کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے جب یہ آیات پڑھیں تو وہ حضرات غم کی اس

کیفیت سے نکل گئے جس نے ان کے حواس کو دور کر دیا تھا۔

ہماری ذمہ داری

آج ہمارے اوپر بھی جدائی کا ایک غم ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے دو باتیں ہیں۔ یا تو یہ کہ اس جدائی کے غم سے ہم ناامید ہو کر بیٹھ جائیں اور دوسرا رستہ یہ ہے کہ حضرت مرشد عالمؒ نے اپنی تعلیمات میں جس طرح ہمیں برانگیختہ کیا اور پوری زندگی دین پر کاربند رہونے کے لئے مستعد رہنے کی تعلیمات دیں ہم ان تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نئے عزم کے ساتھ اس پر قدم اٹھائیں۔ ہمیں اس راستے پر نئے عزم اور ہمت کے ساتھ چلنا ہے۔ اللہ رب العزت ہمارے اس غم اور بوجھ کے صدمے کو جانتے ہیں اور یاد رکھنا کہ مؤمن پر جب کوئی صدمہ گزرتا ہے تو اس کی زندگی کی کتنی ہی خطاؤں کو بخش دیا جاتا ہے۔ اگر اس میں ہم نے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور اپنے لائحہ عمل کو اپناتے ہوئے اپنی زندگی کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے مطابق گزارا تو یقیناً ہم اس دنیا میں بھی کامیاب ہو جائیں گے اور آخرت میں بھی اللہ رب العزت کی رضا نصیب ہوگی۔ کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے المرء مع من احب بندہ روز محشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کو محبت ہوگی۔ میرے دوستو! ہمیں حضرت مرشد عالمؒ سے بے پناہ محبت تھی، اگر یہ محبت آئندہ بھی ہمارے دلوں میں رہے گی اور ہم ان کے ارشادات و فرمودات پر پوری جان و دل کے ساتھ عمل کرتے رہیں گے تو یقیناً یہ محبت رنگ لائے گی، جیسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کا ساتھ نصیب کیا۔ حوض کوثر پر بھی ہمیں ان کا ساتھ نصیب فرمائیں گے۔ یقیناً یہ صحیح بات ہے...... ہم ان کی توقعات پر پورا اتریں۔ ان کی توقعات تھیں

کہ ہم بھی ایسی محنت کریں کہ ہمیں بھی معرفت الٰہی کے جام بھر بھر کے پلائے جائیں کیونکہ مالی جب ایک پودا لگاتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کو پھلتا پھولتا دیکھے۔ ہم اگر شریعت وسنت کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اللہ رب العزت کی رضا جوئی کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیں گے تو حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرفتوح کو خوشی ہوگی۔ آج ہم نے اس بات کا عہد کرنا ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ تجدید عہد کرنی ہے کہ جو معمولات حضرت نے بتائے اور جو پیغام وہ دن رات سنایا کرتے تھے، بھلے ہم سے پہلے غفلت ہوئی، ہم نے وقت کی قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہئے تھی، لیکن آج وہ زخم تازہ ہو رہے ہیں، آج اندر کا انسان جاگ رہا ہے، چوٹ لگنے سے اس کی آنکھ کھلی ہے، ہم آئندہ زندگی ان کی تعلیمات کے مطابق گزارنے کا ارادہ کریں اور اس کے لئے جان و دل سے کوشش کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائیں گے اور ہمیں ہمارے ان ارادوں میں کامیاب فرمادیں گے۔ **و ما ذلک علی اللہ بعزیز** اور اللہ پر یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔ کوشش بندے کے ذمے ہے۔ اسی لئے کسی نے ایک عجیب بات کہی کہ دنیا کا سب سے لمبا سفر ایک قدم اٹھانے سے شروع ہوجاتا ہے۔ ہم دل میں یہ ارادہ کر کے قدم اٹھائیں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیں منزل نصیب فرمائیں گے۔ اس کا مشاہدہ، اس کی رضا اور اس کی لقا نصیب ہوگی۔

اللہ رب العزت کی رحمت کے اترنے کی پہچان یہ ہے کہ جب وہ آجاتی ہے تو ہمیشہ بندے کی کشتی کو کنارے لگا دیا کرتی ہے۔ ہم سے اب تک جو غلطیاں ہوتی رہیں یا آئندہ بھی ہوں تو ان پر حسرت اور افسوس کرتے ہوئے

نفس کے ہاتھوں شکست نہ کھائیں بلکہ منزل کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ جیسے دو پہلوان آپس میں لڑتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کوئی نیچے بھی آ جائے تو وہ نیچے آنے سے دلبرداشتہ نہیں ہوتا بلکہ نیچے آ کر بھی اس کوشش میں رہتا ہے کہ میں اوپر والے کو نیچے لے آؤں۔ اس کے لئے وہ داؤ آزماتا ہے، عقل کا نور استعمال کرتا ہے، کوشش اور فن کو استعمال کر کے نیچے آنے والا فتح پانے والا بن جاتا ہے۔ اگر کبھی ہم ٹھوکر بھی کھائیں تو دوبارہ سنبھل جائیں اور توبہ تائب ہو کر منزل کو سامنے رکھتے ہوئے قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ اسی لئے ایک بزرگ نے کیا ہی پیاری بات فرمائی۔

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ گرا لے کبھی تو گرا لے

اگر کسی موقع پر نفس ہمیں دباتا ہے تو ہم بھی کسی دوسرے موقع پر نفس کو دبا لیں۔ جیسے پہلوان کھیلتے ہیں اور ایک کے دوسرے سے سکور زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن وہ پرامید رہتے ہیں کہ نہیں، انشاءاللہ ہم جیتیں گے۔ اسی طرح اس نفس کی جنگ میں ہم اپنی طرف سے کوشش کرتے رہیں اور دل میں یہ تمنا رکھیں کہ جیسے ہمارے حضرتؒ کامیاب وکامران گئے، ان کے فیوض وبرکات سے اس نفس کی جنگ میں انشاءاللہ آخری فتح ہماری ہوگی۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ انشاءاللہ ہمیں بھی کلمے پر موت آئے گی اور یہی ہماری فتح ہوگی۔

مرشد عالمؒ کے آخری لمحات کی ایک جھلک

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی موت بھی کتنی پیاری تھی۔ نواسے قرآن مجید کی تلاوت کررہے ہیں، وہ یہ آیت پڑھتے ہیں یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ (البقرۃ:۱۵۳) جب وہ یہ آیت پڑھتے ہیں، حضرت ان کو دیکھتے ہیں خوش ہوتے ہیں۔ انہوں نے آگے پڑھا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ حضرت نے یہ الفاظ سنے، چہرے پر مسکراہٹ طاری ہوئی اور جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب او ست

میں تمہیں مرد مؤمن کی پہچان بتادوں کہ جب اس پر موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ کل آپ اور ہم سب نے دیکھ لیا کہ حضرت کس طرح مسکراتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔ ان کا کیسا کھلا ہوا چہرہ تھا، نہلاتے وقت بدن نرم و نازک محسوس ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ بس تھوڑی دیر کے لئے آرام کررہے ہیں۔ میرے دوستو! ہمارے لئے ایک راستہ متعین ہے ہم دل میں یہ عہد کریں کہ جو باغ انہوں نے لگایا ہے، ہم اس میں کھلنے والے پھول بنیں گے اور ہم اپنی خوشبو سے اس باغ کو مہکائیں گے۔

قرآن پاک سے تعلق جوڑیں

آپ اپنے آخری وقت میں قرآن سنتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے اور اپنی زندگی میں بھی قرآن پاک کو حرز جاں بنائے رکھا۔ اپنی معمول کی گفتگو

میں بھی اکثر آیات قرآنی ہی کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اپنے بیانات میں وہ آیات کو اپنے مطالب کے ساتھ اتنی روانی اور تسلسل سے پڑھتے تھے کہ لگتا تھا کہ علوم و معارف کا ایک دریا ہے جو بہا چلا جا رہا ہے۔ آپ نے اپنے متلقین اور مریدین کو بھی ہمیشہ یہی نصیحت کی کہ قرآن سے اپنا تعلق مضبوط کر لیں اسی میں ہماری نجات ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"ہمیں کہتا ہے یہ قرآن،
او میرے ماننے والے مسلمان!
تیرے ہاتھ میں ہو قرآن پھر تو دنیا میں رہے پریشان
تیرے ہاتھ میں ہو قرآن پھر تو دنیا میں ہو ناکام
تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں بنے غلام
غلامی نفس کی ہو شیطان کی ہو یا کسی انسان کی ہو، ناں ناں ناں......
ہمیں کہتا ہے یہ قرآن، او میرے ماننے والے مسلمان!
اِقْرَاْءْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ تو پڑھ قرآن تیرا رب کرے گا تیرا اکرام
تیرا رب تجھے عزت و وقار دے گا، تیرے ظاہر و باطن کو نکھار دے گا

حضرت مرشد عالمؒ کی تعلیمات کا نچوڑ

فقیر اس موقع پر وہ تین آیتیں پڑھتا ہے جو حضرتؒ اکثر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ وہ آیتیں ہمیں اپنی تعلیمات کے نچوڑ کے طور پر سناتے تھے لیکن اس وقت بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں آج سمجھنے کی توفیق عطا فرما دیں۔

پہلی آیت یہ ارشاد فرماتے تھے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ

یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا (الانفال: ۲۹) یہ آیت ہمارے لئے ایک بہت بڑا بھروسہ ہے اور دل کے لئے تقویت کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ کو اختیار کرو گے تو اللہ رب العزت تمہیں قوت فارقہ نصیب کرے گا۔ جس سے تمہیں حق و باطل کی پہچان رہے گی۔ اس لئے ہم اگر پرہیز گاری کو اپنائیں گے اور سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک تقویٰ و طہارت والی زندگی گزاریں گے تو اللہ کے قرآن کے مطابق ہمیں یہ قوت فارقہ نصیب ہو جائے گی اور اپنی آئندہ زندگی حق و باطل کی پہچان کرتے ہوئے گزار پائیں گے۔

دوسری آیت یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ o (الحج: ۷۸) تم نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ (جب پکڑ لو گے تو) وہ تمہارا سرپرست بن جائے گا، وہ کتنا بہترین مولیٰ ہے اور کتنا اچھا مددگار ہے۔

حضرتؒ اپنی مجالس کے اختتام پر اکثر یہ آیت بھی پڑھا کرتے تھے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا اے ایمان والو! تم اپنے اندر صبر وضبط پیدا کرو۔ میں یہ وہی الفاظ نقل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو حضرت فرمایا کرتے تھے۔ اے ایمان والو! تم اپنے فرض منصبی پر مرمٹو وَ صَابِرُوْا اور دوسروں کو مر مٹنے کی تلقین کرتے رہو وَ رَابِطُوْا اور تم اپنے آخری دم تک اس کے در پر ڈٹے رہو وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اگر تم پرہیز گاری کو اختیار کرو گے تو لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (آل عمران: ۲۰۰) پھر کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

دل کے زخم کے لئے مرہم

اللہ رب العزت ہمیں تقویٰ اور پرہیز گاری کے ساتھ حضرت مرشد عالمؒ کے نقش قدم پر چلنے کی اوران کی محبت کو دل میں ہمیشہ بہتر سے بہترین بنانے کی توفیق عطا فرمائے ۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادگان کو عمر نوح نصیب فرمائے ، یہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یادگاریں ہیں، ان کے کندھوں پر اس وقت بڑا بوجھ ہے، اللہ رب العزت ان کو اس بوجھ سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے ۔الولد سر لا بیہ الحمدللہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی مدظلہ العالی ہمارے درمیان موجود ہیں ۔ جیسے باپ فوت ہو جائے تو چھوٹے بھائی بڑے بھائی کو دیکھ کر کچھ صبر اور سکون حاصل کرلیا کرتے ہیں، آج اس محفل میں وہ ہمارے بڑے بھائی کی حیثیت سے ہیں، وہ ہمارے والد کی جگہ ہیں، ان کو دیکھ کر پھر بھی کچھ ڈھارس بندھ جاتی ہے ۔ بلکہ دل کے زخم پر مرہم آ جاتی ہے ۔ اللہ رب العزت ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھیں ۔ ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائیں اور ہمارے محافظ اور نگہبان کے چلے جانے کے بعد اللہ رب العزت ہمیں بے سہارا نہ بنادیں اور اللہ رب العزت ہمیں نفس و شیطان کے حوالے نہ کر دیں ۔ ہم اس کی رحمت کے طلبگار ہیں، اس سے اس کی برکتیں مانگتے ہیں، اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتے ہیں کہ اے اللہ ! تیرے ایک مقبول بندے کی دعائیں ہمارے شامل حال ہوتی تھیں ، ہماری غلطیاں چھپ جاتی تھیں ، اے اللہ ! آج وہ دعائیں نہیں ہیں ، لیکن تو ہمیں وہی حفاظت عطا فرمادینا اللھم لا تحرمنا اجرہ و لا تفتنا بعدہ اے اللہ ! اپنے اس مقبول بندے کے بعد ہمیں کسی فتنے میں نہ ڈال دینا ۔ اے اللہ ! ہم ناپ

تول کے قابل نہیں ، کہیں ہماری آزمائش نہ کر لینا ، اگر تو نے ناپ تول کرنا شروع کر دی تو ہم میزان پر پورے نہیں اتر سکیں گے ۔ رحمت کا معاملہ فرمانا ۔ ہمارے حضرت نے بھی شفقت کا معاملہ فرمایا ، ہم پہلے بھی فضلی رہے ، تیرا فضل رہا اور اس سے کام چلتا رہا ، اے اللہ ! اب بھی رحمت فرما دینا اور ہمارے بیڑے کو بھی پار کر دینا ۔ (آمین ثم آمین)

و اخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

اخلاق حمیدہ

اچھے اخلاق کا دوسرا نام ''اچھا کردار'' ہے۔ یاد رکھنا کہ کردار دیکھنے میں ایک بے قیمت سی چیز نظر آتی ہے لیکن انسان اس کے ذریعے بڑی سے بڑی قیمتی چیز کو خرید لیا کرتا ہے۔ دنیا تلوار کا تو مقابلہ کر سکتی ہے مگر کردار کا مقابلہ کبھی نہیں کر سکتی۔ ہمیشہ کردار کی فتح ہوتی ہے۔

اخلاق حمیدہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
وَ اَمَّـا مَـا یَـنْـفَـعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِیْ الْاَرْضِ . و قال رسول الله ﷺ الدین النصیحه او کما قال علیه الصلوٰة و السلام .
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ
وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اچھے اخلاق والے انسان کا مقام

ایک عام دستور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنے اخلاق سے پہچانا جاتا ہے۔ جس درخت کا پھل اچھا اور میٹھا ہو، خوبصورت بھی ہو اور ذائقے میں بھی لذیذ ہو، لوگ اس درخت کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور اسے پانی بھی پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح جس انسان کے اخلاق اچھے ہوں، جس کے پاس بیٹھیں تو وہ فائدہ پہنچائے اور جو مصیبت میں دوسروں کے کام آئے، ایسے بندے کو بھی دوسرے لوگ پسند کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، وَ اَمَّـا مَـا یَـنْـفَـعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِیْ الْاَرْضِ (الرعد:۱۷) اور جو انسانوں کو نفع پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے زمین میں جما دیتے ہیں۔ دین اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے اس میں اچھے اخلاق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، کہ ایمان لانے

کے بعد سب سے افضل عمل خوش خلقی ہے۔ایک اور حدیث شریف میں فرمایا گیا **اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا** ایمان والوں میں سے کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں ۔گویا اللہ رب العزت کے پاس یہ بندے کوتولنے کا ایک معیار ہے۔اس معیار کے ذریعے بندہ خود بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ میں کتنے پانی میں ہوں ۔اچھے اخلاق والے آدمی کولوگ بھی پسند کرتے ہیں اور پروردگار عالم بھی اسے پسند فرماتے ہیں ۔لہذا جس انسان کو خوش خلقی نصیب ہو جاتی ہے اسے اللہ رب العزت کی طرف سے بڑی نعمت نصیب ہو جاتی ہے۔اچھے اخلاق کوانسان کی سیرت کہا جاتا ہے۔جس طرح خوب صورت انسان کو دیکھنے سے آنکھیں خوش ہوتی ہیں اسی طرح خوب سیرت انسان کے ملنے سے دل خوش ہوتا ہے۔ایسی وجہ ہے کہ نیک سیرت انسان سے ہر بندہ محبت کرتا ہے اور جب کسی انسان سے محبت ہوگی تو یقیناً اس کی خیر خواہی دل میں آئے گی۔وہ پھر اس کی پشت پیچھے بھی اس کی خیر خواہی کرے گا۔

اسی لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

الھم حسنت خلقی فحسن خلقی

(اے اللہ! جس طرح تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے تو میرے اخلاق کو بھی اچھا کر دے)

اچھے اخلاق کمال ایمان کی علامت ہیں

کسی بھی مؤمن کے ایمان کا اس کے اخلاق پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ اگر اس کا ایمان مضبوط ہے تو اس کے اخلاق خود بخود سنور جائیں گے۔کیونکہ

خوف خدا اس کو ہر قسم کی بدخلقی کو ترک کرنے پر مجبور کر دے گا۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے گا اور دوسروں کو راحت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''مؤمنین میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہے'' سبحان اللہ کیسا معیار بتایا ہے کہ کمال ایمان کی نشانی کثرت عبادات نہیں بلکہ اخلاق کا اچھا ہونا ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں آیا ہے **ان المؤمن لیدرک بحسن خلقه درجة قائم اللیل و صائم النھار** بے شک مؤمن بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں رات نماز میں کھڑے رہنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے آدمی کا درجہ پالیتا ہے۔

سب سے بہترین چیز

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سب سے بہترین چیز کونسی ہو سکتی ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہو۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ایسی چیز حسن اخلاق ہے۔

تو اچھے اخلاق سب بڑی نعمت، سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ جس کے پاس بھی یہ ہوتا ہے اس سے بہت نفع اٹھاتا ہے۔

کردار کی فتح

اچھے اخلاق کا دوسرا نام ''اچھا کردار'' ہے۔ یاد رکھنا کہ کردار دیکھنے میں ایک بے قیمت سی چیز نظر آتی ہے لیکن انسان اس کے ذریعے بڑی سے بڑی

قیمتی چیز کو خرید لیا کرتا ہے۔ دنیا تلوار کا تو مقابلہ کر سکتی ہے مگر کردار کا مقابلہ کبھی نہیں کر سکتی۔ ہمیشہ کردار کی فتح ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں فتحت المدینة بالاخلاق کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کو اخلاق کے ذریعے فتح فرمایا تھا۔

اخلاق کے مراتب

اخلاق کے تین مراتب ہیں

پہلا مرتبہ

اخلاق کا ایک مرتبہ وہ ہے جو یہودیوں کو ملا اسے اخلاق حمیدہ کہتے ہیں۔ وہ یہ تھا کہ تم لوگوں کے ساتھ برابری کا معاملہ رکھو۔ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَیْنَ بِالْعَیْنِ (المائدہ:۴۵) جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ جتنا کوئی تمہیں تکلیف پہنچاتا ہے اپنا بدلہ لینے کے لئے تم بھی اتنی ہی تکلیف پہنچا سکتے ہو۔ البتہ اس سے زیادہ تکلیف نہ پہنچانا۔

دوسرا مرتبہ

اخلاق کا ایک مرتبہ عیسائیوں کو بھی ملا۔ ان کو یہودیوں سے بلند مرتبہ کا اخلاق ملا'' جسے'' اخلاق کریمانہ کہتے ہیں۔ وہ اخلاق یہ تھے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو تم اس کو معاف کر دو۔ اسی لئے نصاریٰ جو پہاڑی کا وعظ

دہراتے ہیں اس میں وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہارے ایک رخسار پر کوئی تھپڑ لگائے تو تم اپنا دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے پیش کر دو۔ وہ اسے اخلاق کا بڑا مرتبہ سمجھتے ہیں۔

تیسرا مرتبہ

اخلاق کا ایک مرتبہ امت مسلمہ کو بھی ملا جسے ''اخلاق عظیمہ'' کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا، اے محبوب ﷺ! وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (ن:۴) اور آپ تو اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔ اخلاق عظیمہ یہ ہیں فَاعْفُ عَنْھُمْ اے محبوب ﷺ! انہیں معاف کر دیجئے۔ وَ اسْتَغْفِرْ لَھُمْ اور ان کے لئے اللہ کے حضور استغفار کیجئے۔ وَ شَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (ال عمران:۱۵۹) اور ان کو اپنے مشورے میں شامل بھی فرما لیجئے۔ یعنی اپنے بھائی کی غلطی کو فقط معاف ہی نہیں کرنا بلکہ اس کے لئے اللہ کے حضور استغفار بھی کرنی ہے اور پھر پہلے والے تعلقات کو بحال بھی رکھنا ہے۔ اور انہیں اپنے مشوروں میں شامل بھی رکھنا ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے ایمان والوں کی صفت قرآن میں ارشاد فرمائی کہ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (آل عمران:۱۳۴) وہ غصے کو پی جانے والے ہوتے ہیں اور وہ انسانوں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت فرماتے ہیں۔ گویا ہم نے دوسروں کو فقط معاف ہی نہیں کرنا بلکہ ہم نے ان کی غلطیوں کے باوجود ان کو اپنے قریب کرنا ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا، وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ تم برائی کو اچھائی کے ساتھ دھکیلو۔ جب تم برائی کا بدلہ

اچھائی کے ساتھ دو گے تو نتیجہ یہ نکلے گا فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حم سجدہ:۳۴) کہ تمہارے اور جس کے درمیان دشمنی ہے وہ بندہ پھر تمہارا جگری یار بن جائے گا۔ یوں دشمنی دوستی میں بدل جائے گی اور نفرتوں کی بجائے دلوں میں محبتیں پیدا ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ اور جو انسانوں کو نفع پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے زمین میں جما دیتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قدم زمین میں جما دیا کرتے ہیں۔ یہ ایک خدائی قانون ہے کہ جو بندہ دوسروں کے فائدے کے لئے زندگی گزارے گا اللہ تعالیٰ اس کے اپنے قدم زمین میں جما دے گا۔

دین اسلام کا حسن

ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کے بندوں سے اللہ کے لئے محبت کریں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ الخلق عیال اللہ کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ یاد رکھنا کہ جو اللہ تعالیٰ کی عیال سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت فرماتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء تم رحم کھاؤ جو زمین پر ہے، تم پر وہ رحم کرے گا جو پروردگار آسمانوں میں ہے۔ اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں تو پھر ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کے بندوں پر رحم کریں۔ اللہ کے بندوں سے اللہ کی نسبت سے محبت رکھیں۔ دین اسلام کا حسن دیکھئے کہ ایک تو مومن سے محبت کرنا ہوتی ہے، یہ تو بڑی بات ہے، یہ تو ہونا ہی چاہئے، عام انسانوں سے بھی رحم سے پیش آنے کی تلقین کی گئی ہے۔

دنیا میں بھائی کی اہمیت

ایمان والوں سے محبت اس لئے بھی ہونی چاہئے کہ قرآن مجید میں ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات:۱۰) مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ یاد رکھنا کہ دنیا اور آخرت میں بھائی ہی کام آتے ہیں۔ قرآن عظیم الشان سے ایک دلیل سن لیجئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے میرے پیارے موسیٰ! اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (النّٰزعت:۳۰) کہ آپ کے فرعون کے پاس جائیں کیونکہ وہ باغی طاغی بنا پھرتا ہے۔ فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ایک منظّم بادشاہ تھا۔ اس کی اپنی گورنمنٹ تھی۔ چونکہ اس کی گورنمنٹ کے نظام سے ٹکرانا تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ میں اکیلا ہوں۔ اس لئے میرا بھی کوئی مددگار ہونا چاہئے۔ اب مددگار تلاش کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہلی نظر اپنے بھائی پر پڑی۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں فرمایا گیا رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِی. وَ یَسِّرْلِیْٓ اَمْرِی. وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ. یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ. وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ. هٰرُوْنَ اَخِی. (طٰهٰ :۲۵ تا ۳۰) یعنی دنیا میں بھی جب سر پر بوجھ پڑتا ہے تو بھائی کام آتا ہے...... یہ تو دنیا کا معاملہ ہے اب آخرت میں دیکھتے ہیں کہ وہاں بھائی کیسے یاد آئے گا۔

آخرت میں بھائی کی اہمیت

قیامت کے دن جب انسان پر اللہ رب العزت کی طرف سے عذاب آئے گا اور اس ہیبتناک اور وحشتناک دن کی حقیقت اس کے سامنے کھلے گی تو

پھر انسان پناہ گاہ ڈھونڈے گا۔ وہاں بھی مجرم بندہ اپنے بھائی کی طرف رجوع کرے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ (عبس: ۳۴) وہ اپنے بھائی کی طرف رجوع کرے گا۔ گویا دنیا اور آخرت میں بھائی ہی کام آئے گا۔

ہماری سرد مہری

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ آج ہم جب سب سے پہلے چھری چلاتے ہیں تو بھائی کے رشتے پر چھری چلاتے ہیں۔ آج ہم مسلمانوں کے گھروں میں بھی یہی حال ہے۔ چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں پر رشتوں ناطوں کو توڑ دیتے ہیں۔

جھگڑوں کا خاتمہ

ایک حدیث مبارک ایسی ہے، اگر اس پر عمل کرلیا جائے تو دنیا کے سب جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یؤمن عبد حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے (مؤمن) بھائی کیلئے وہی پسند نہیں کرتا جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے)

اب بتائیں جب ہر بندہ دوسروں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ رکھے گا جیسا وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے تو پھر تعلقات کشیدہ ہونے کی نوبت آئے گی؟ بالکل نہیں آئے گی۔ آج جو بھائیوں کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کی عزت نفس کا خیال رکھا جاتا ہے نہ اس کے حقوق کی پرواہ کی جاتی۔

صلہ رحمی کا حکم

دین اسلام نے ہمیں صلہ رحمی کا درس دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا صل من قطعک تو اس سے جوڑ جو تجھ سے توڑے و اعف عن من ظلمک اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اس کو معاف کردے و احسن من عصا الیک اور جو تجھ سے برائی کرے تو اس سے اچھا سلوک کرے۔ ہمارے پیارے محبوب ﷺ نے ان تین باتوں کے ذریعے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے جو شخص ان تین باتوں پر عمل کرلے اس کی زندگی سنور سکتی ہے۔ سبحان اللہ، کیا ہی جوامع الکلم ہمارے محبوب ﷺ کو عطا کردیئے گئے کہ اگر ان میں سے کسی ایک بات پر عمل کرلیا جائے تو انسان کی ہدایت کے لئے وہ کافی ہو جائے۔

قطع رحمی کا انجام

جو لوگ رشتوں ناطوں کو توڑ دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو بڑے ناپسند ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ رب العزت شب قدر میں بڑے بڑے مجرموں کو معاف فرما دیتے ہیں لیکن چند بندے ایسے بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ شب قدر میں بھی معاف نہیں کرتے، ان میں سے ایک بندہ وہ بھی ہے جو قطع رحمی کرنے والا ہو۔ مگر آج تو حالت یہ کہ بہن بہن سے نہیں بولتی، بھائی بھائی سے نہیں بولتا، بچے ماں باپ سے ناراض پھرتے ہیں اور وہ رشتے جن کو اللہ

تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا آج لوگ ان کو توڑ کر خوش ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ یہ قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ نوجوان اپنے دوست کے ساتھ رہ کر خوش ہوگا اور اپنے ماں باپ کے ساتھ رہ کر وہ تنگی محسوس کرے گا۔ آج کے نوجوان کا یہی حال ہے۔ کسی نوجوان سے پوچھ لیں کہ آپ کی کیا پریشانی ہے؟ تو وہ کہے گا جی بس گھر والے پابندیاں لگاتے ہیں، امی کہتی ہے کہ تمہیں دس بجے سے پہلے گھر آنا چاہئے، ابو کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کے لئے پابندی سے اٹھنا چاہئے، بس ان کو تو ان پابندیوں کے لگانے کے سوا کوئی اور کام ہے ہی نہیں۔ اور جب دوستوں کی محفل میں جاتے ہیں تو وہ دوست انہیں آزادی سکھاتے ہیں اس لئے نوجوان اپنی فلاح اسی میں سمجھتے ہیں کہ گھر کی پابندیوں سے ہماری جان چھوٹے اور دوستوں میں زندگی گزاریں۔ یاد رکھئے کہ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ بازو یہ سوچنے لگے کہ میں تو جسم کے ساتھ بندھا ہوا ہوں۔ کچھ کر ہی نہیں سکتا اس لئے میری فلاح اس میں ہے کہ میں جسم سے جدا ہو جاؤں۔ اگر بازو جسم سے جدا ہو جائے گا تو اس میں کیڑے پڑیں گے، اس کو کتے چبائیں گے، بھنبھوڑیں گے اور گھسیٹیں گے کیونکہ یہ بے جان ہو چکا ہوگا۔ اس کی زندگی اس میں ہے کہ یہ جسم کے ساتھ مل کر رہے۔ اسی طرح اولاد کی بھی زندگی اس میں ہے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ مل کر رہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، **البرکۃ مع اکابرکم** تمہارے لئے برکت بڑوں کے ساتھ رہنے میں ہے۔ اس لئے ہم بڑوں کے ساتھ مل کر رہنے میں اپنی عافیت سمجھیں۔

بے مثال کردار

اچھے اخلاق پیدا کرنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ زبانی باتیں کرنا آسان ہے لیکن کردار کو پیش کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ سابقہ انبیاء جب دنیا میں تشریف لائے تو ان کی قوموں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی حقانیت کی کیا دلیل ہے تو انہوں نے اپنے معجزے پیش کئے۔ کسی نے اونٹنی کو پیش کیا اور کسی نے کہا کہ میں مادرزاد اندھوں کو بینا کر سکتا ہوں۔ لیکن جب نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کی نبوت کی کیا دلیل ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا میں نے تمہارے درمیان اپنی زندگی نہیں گزاری؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں جوانی کی زندگی تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، عجیب بات ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجنون اور جادوگر تو کہا گیا مگر کسی کو جھوٹا کہنے کی جرأت نہ ہوئی یا یہ کہ معاذ اللہ ان کی نگاہ میلی تھی یا ان کے کردار کی یہ بات کچی تھی۔ نہیں، کافران کے دشمن تھے، مجنون اور ساحر تو کہتے رہے مگر محبوب ﷺ کا کردار اتنا کھلا ڈھلا اور صاف تھا کہ جانی دشمنوں کو بھی آپ ﷺ کے کردار پر بات کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

خیر خواہی کی تعریف

ایمان والوں کو چاہئے کہ ان کی سوچ ہمیشہ مثبت ہو۔ منفی سوچ سے بچیں۔ دوسرں کی برائیوں کو بھی نظر انداز کر دیا کریں اور اپنی طرف سے ان کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کریں۔ اس کو خیر خواہی کہتے ہیں۔ ایسا بندہ اللہ تعالیٰ کو بڑا پسندیدہ ہوتا ہے جو دوسروں کی خیر خواہی کرتا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ و

السلام نے ارشاد فرمایا الدین النصیحہ کہ دین سراسر خیر خواہی ہے۔ جیسے کہتے ہیں ناں کہ فلاں بندے نے تو دو لفظوں میں بات سمجھا دی۔ اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دو لفظوں میں پورا دین سمجھا دیا۔

دین اور خیر خواہی کا تلازم

عربی میں ایک مبتداء ہوتا ہے اور ایک خبر ہوتی ہے۔ عام طور پر ایک معرفہ ہوتا ہے اور دوسرا نکرہ۔ لیکن یہاں پر عجیب معاملہ ہے لفظ الدین بھی معرفہ ہے اور النصیحہ بھی معرفہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب دونوں کو معرفہ لایا جائے تو وہ لازم وملزوم ہوا کرتے ہیں اور ان میں چولی دامن کا ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اس کا یہ معنی بنے گا کہ جو دین ہے وہ سراسر خیر خواہی ہے۔ اور جو کچھ خیر خواہی ہے وہ سراسر دین ہے۔ آپ کو جہاں دین ملے گا وہاں آپ کو خیر خواہی ملے گی اور جہاں آپ کو خیر خواہی ملے گی سمجھ لینا کہ وہاں دین موجود ہے۔ اور جہاں آپ کو مسلمان دوسرے مسلمان کا بدخواہ نظر آئے تو سمجھ لینا کہ دین درمیان میں سے نکل چکا ہے

مؤمن اور خیر خواہی

مؤمن کا تو کام ہی یہ ہے کہ ساری دنیا کی خیر خواہی کرے، ہر ایک کو اس سے فائدہ پہنچے۔ بجائے کسی کو تکلیف پہنچانے کے ان کے دکھ درد میں کام آئے۔ اس کا طرز زندگی ایسا ہو کہ اس کے عزیز رشتہ دار، پڑوسی، محلّہ دار، دوست احباب۔ سب کو یقین ہو کہ یہ ایسا بااخلاق انسان ہے کہ ہمیں اس سے تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ تشریف لائے اور ان کے پاس کھڑے ہو گئے۔ فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سے اچھا کون ہے اور برا کون ہے؟ سب خاموش رہے۔ آپ نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا۔ پھر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ ہے جس سے لوگ خیر کی امید رکھتے ہوں اور شر سے اطمینان رکھتے ہوں۔ اور بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ خیر کی توقع نہ رکھتے اور اس کے شر سے خوف کھاتے ہوں۔

دیکھیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کس قدر جامع انداز میں یہ بات کی۔ یہ نہیں فرمایا کہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ بلکہ فرمایا کہ اپنا طرز زندگی ایسا رکھو کہ لوگوں کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ ساری دنیا سے ہمیں نقصان ہو سکتا ہے لیکن اس بندے سے ہمیں نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

عبداللہ بن مبارکؒ کے پڑوس کی قیمت

''ہمبرگ'' جرمنی کا ایک شہر ہے۔ وہاں ہمارے ایک دوست رہتے ہیں۔ وہ جرمن ائیر لائن میں کام کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے گھر ٹھہرنا ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مسجد یہاں سے ایک گھنٹہ کے فاصلے پر ہے، آپ نے مسجد سے اتنا دور کہاں گھر لے لیا؟ وہ کہنے لگا، یہاں ہمسائے بہت اچھے ہیں، بڑے پڑھے لکھے جرمن لوگ رہتے ہیں اور وہ مسلمانوں کو یہاں کرایہ پر بھی مکان کیوں نہیں دیتے۔ بس مجھے یہاں مکان مل گیا ہے اور یہیں رہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو کرایہ پر مکان کیوں نہیں دیتے؟ کہنے لگے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مسلمان دوسروں کے حقوق کا خیال نہیں کرتے اور جس جگہ یہ

مکان بنا لیتے ہیں وہ پوری کمیونٹی کا گندہ پوائنٹ بن جاتا ہے، اس لئے وہ ان کو کرایہ پر مکان نہیں دیتے۔

میں نے کہا، اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں؟ کہنے لگے، بتائیے۔ میں نے کہا کہ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے اس وقت یہ حالت تھی کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ اسے مکان بیچنے کی ضرورت پیش آئی۔ ایک آدمی خریدنے کے لئے آیا تو اس نے پوچھا کہ آپ یہ مکان کتنے کا دیں گے؟ وہ یہودی کہنے لگا، دو ہزار دینار کا۔ اس نے کہا، جی اس جیسا مکان تو یہاں ایک ہزار دینار کا ملتا ہے۔ یہودی اس کے جواب میں کہنے لگا کہ واقعی ایک ہزار دینار تو اس مکان کی قیمت ہے اور دوسرا ہزار دینار عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس کی قیمت ہے۔ سبحان اللہ

بندۂ مومن کا مقام

ابو داؤد شریف کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام طواف فرما رہے تھے۔ طواف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا، اے کعبہ! تجھے اللہ تعالیٰ نے بڑی شان عطا کی ہے لیکن حرمة المؤمن ارجح من حرمة الكعبة مومن کا احترام اللہ کے نزدیک تیرے احترام سے زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ نے مومن کو ایک مقام عطا کیا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ ہم کعبہ کی طرف تو منہ کر کے سجدے کریں اور کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر دعائیں بھی مانگیں اور بوسے بھی دیں، لیکن مومن سے نفرت کریں، اسے ایذا پہنچائیں اور اس کی بدخواہی کرتے پھریں تو پھر ہمارا ایمان کیسا ہوگا؟ مومن اپنوں اور پرایوں سب کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ ہم دین کو

سمجھنے کی کوشش کریں کہ دین ہم سے چاہتا کیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا،

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میر شود ایں مقام
کہ با دوستاں ہست پیکار جنگ

کہ اللہ والوں کے بارے میں ہم نے سنا کہ وہ تو دشمنوں کے دلوں کو بھی تنگ نہیں کیا کرتے تھے، تجھے یہ مقام کہاں سے نصیب ہوا، تو اپنوں سے برسر پیکار ہے۔ ہم اپنوں کو دکھ دیتے پھرتے ہیں۔

غلطیوں کی تلاش

چنانچہ حالت یہ ہوتی ہے کہ بیوی نے اپنے میاں کی غلطیوں پر دوربین فٹ کی ہوتی ہے اور میاں نے اپنی بیوی کی غلطیوں پر خوردبین فٹ کی ہوتی ہے۔ کہنے کو تو وہ میاں بیوی ہوتے ہیں اور زندگی کے ساتھی ہوتے ہیں مگر حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کی غلطیوں کی تلاش میں ہے اور وہ اس کی غلطیوں کی تلاش میں ہے۔ وہ اس کو نیچا دکھانے کے درپے ہے اور وہ اس کو نیچا دکھانے کے درپے ہے۔ کیا مسلمانی باقی رہی؟ جن کو اللہ تعالیٰ نے لباس کہا ان کی یہ حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** (البقرۃ: ۱۸۷) وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ لباس انسان کی بدصورتی کو خوبصورتی میں بدل دیتا ہے اور جسم کے عیبوں کو چھپا دیتا ہے۔ جس کو اللہ نے لباس کہا ہم اس کے نقائص ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جو ہم سے زیادہ قریب ہوتا ہے اتنا ہی ہم سے زیادہ تنگ ہوتا ہے۔ یہ کتنی عجیب

بات ہے

ستر پوشی کی فضیلت

میرے دوستو! شریعت مطہرہ نے معاف کر دینے کو بہت پسند فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو انسان جتنا جلدی دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرے گا اللہ رب العزت اتنا ہی جلدی قیامت کے دن اس کی غلطیوں کو معاف فرمائیں گے۔ اور جو انسان دوسروں کے عیبوں کی ستر پوشی کرے گا اللہ رب العزت قیامت کے دن اس کے عیبوں کی ستر پوشی فرمائیں گے۔ یہ باتیں آج دلوں میں بٹھانے کے قابل ہیں۔

مؤمن کے دل کو خوش کرنے کی فضیلت

ایک روایت میں ہے کہ جس نے کسی مؤمن کے دل کو خوش کیا اللہ تعالیٰ اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا فرماتے ہیں۔ وہ فرشتہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا رہتا ہے اور اس کے ذکر کا ثواب اس بندے کے نامہء اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میرے کسی امتی کی حاجت پوری کی تاکہ اس کا دل خوش کرے تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

ان احادیث کے پڑھنے کے بعد ہم اپنے اوپر بھی غور کریں کہ کیا ہم نے کبھی کوئی کام فقط اس لئے کیا ہے کہ میرے مؤمن بھائی کا دل خوش ہو جائے۔

اپنے دوسرے بھائیوں کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورتوں کا پورا کرنا بندے کے عمر بھر کے گناہوں کی بخشش کا سبب بن سکتی ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ جب کوئی مؤمن اپنے مؤمن بھائی کے کام کیلئے کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے تین خندقیں دور کر دیتے ہیں اور خندق کی چوڑائی زمین آسمان کے درمیان میں فاصلہ کے برابر ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے کسی پریشان حال کی مدد کی خدا اس کیلئے تہتر مغفرتیں لکھ دے گا، ان میں سے ایک میں اس کے سب کام بن جائیں گے اور بہتر قیامت کے دن اس درجے بلند کرنے کے لئے ہوں گی۔ سبحان اللہ

زبان کی آفتیں

میرے دوستو! اگر ہم کسی کے دل کو خوش نہیں کر سکتے تو اس کے دل کو رنج بھی نہ پہنچایا کریں۔ یاد رکھنا کہ بیماریوں میں سے سب سے بری دل کی بیماری ہے اور دل کی بیماریوں میں سے سب سے بری دل آزاری ہے۔ مگر ہم بڑی دیدہ دلیری سے دوسروں کی دل آزاری کر رہے ہوتے ہیں۔ خاوند بیوی کو کوئی ایسی بات کر دیتا ہے کہ وہ بیچاری سارا دن روتی رہ جاتی ہے اور بیوی خاوند کو ایسی بات کہہ دیتی ہے کہ اس بیچارے کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ تلوار کے زخم تو مندمل ہو جاتے ہیں مگر زبان کے زخم مندمل نہیں ہوا کرتے۔ یہ زبان ان رشتوں کو بھی توڑ دیتی ہے جن رشتوں کو انسان تلوار کے ذریعے بھی نہیں توڑ سکتا۔ آج ہمیں زبان چلانے کی بڑی عادت ہے، ہر وقت ہی بولتے رہتے ہیں، سننے کی عادت نہیں ہے فقط بولنے کی عادت ہے۔

بدزبانی کا انجام

ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں ایک عورت ہے جو نماز، روزہ اور صدقہ کثرت سے کرتی ہے۔ لیکن وہ اپنے پڑوسیوں سے بدزبانی کرتی ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ عورت دوزخ میں جائے گی۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ ایک عورت ہے وہ نفل روزے، نمازیں اور صدقات کم ادا کرتی ہے لیکن دوسروں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیتی، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت جنت میں جانے والی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بدخلقی کس قدر بری چیز ہے کہ دوسروں سے بدزبانی کرنے اور ایذاء دینے والے کی نفلی عبادتیں بھی اس کے کام نہیں آتیں۔

غصہ پینے کی فضیلت

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس کا بدلہ بھی لے سکتا ہو مگر وہ اللہ کے لئے معاف کر دے اور غصے کا گھونٹ پی جائے تو اس غصے کے گھونٹ کو پینے پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کو اپنے چہرے کا دیدار عطا فرمائیں گے۔ سبحان اللہ، یہ کتنے نفع کا سودا ہے۔ اس لئے ہم اللہ کے لئے اللہ کے بندوں کو معاف کر دیا کریں۔ ہم بدلہ لے بھی سکتے ہوں تو نہ لیا کریں۔

بیوی سے حسن سلوک کا بدلہ

حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کی بیوی سے غلطی ہوگئی۔ اتنا بڑا نقصان تھا کہ اگر وہ چاہتا تو اسے طلاق دے دیتا۔ کیونکہ وہ حق بجانب تھا۔ لیکن اس نے اسے اللہ کی بندی سمجھ کر معاف کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کی وفات ہوگئی۔ کسی نے اسے خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا، سناؤ بھئی! آگے کیا بنا؟ کہنے لگا کہ بس اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مہربانی فرمادی اور میرے گناہوں کو معاف کر دیا۔ اس نے پوچھا، کس وجہ سے آپ کی معافی ہوئی؟ وہ کہنے لگا کہ ایک ایسی بات تھی جو میں بھول ہی گیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ ایک مرتبہ میری بیوی سے کوئی غلطی ہوگئی تھی، میں اگر چاہتا تو سزا دیتا، طلاق دے دیتا مگر میں نے اسے اللہ کی بندی سمجھ کر معاف کر دیا۔ پروردگار نے کہا، تو نے اسے میری بندی سمجھ کر معاف کر دیا تھا آج میں نے تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کر دیتا ہویا۔

تربیت کا فقدان

بلکہ کئی دفعہ تو یہ بھی دیکھا کہ دو بندے بحث کر رہے ہوتے ہیں اور وہ دونوں بول رہے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی بات کوئی بھی نہیں سن رہا ہوتا۔ یوں لگتا ہے کہ ہمیں کسی نے زندگی گزارنے کا سلیقہ ہی نہیں سکھایا۔ تعلیم تو سکولوں اور کالجوں سے پا لیتے ہیں مگر ہم تربیت کس سے لیتے ہیں؟ کسی سے بھی نہیں۔

میرے دوستو! تربیت اللہ والوں سے ملتی ہے۔ آج اللہ والوں کے پاس

آتے نہیں اور تربیت پاتے نہیں اس لئے انسان نہیں بن پاتے اور اللہ کے بندوں کو دکھ پہنچاتے ہیں۔ایک چھوٹی سی بات بتاتا ہوں۔ایم اے پاس بندہ گاڑی چلارہا ہوتا ہے،اسے پتہ ہوتا ہے کہ پھاٹک بند ہے،وہ بجائے لائن میں کھڑا ہونے کے ادھر سے موڑ کر آنے والی ٹریفک کے راستے میں گاڑی کو کھڑا کردے گا۔تیرے ایم اے پاس ہونے کا کیا فائدہ؟ تجھے تو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ جب پھاٹک کھلے گا تب ہی گاڑی آگے جائے گی۔پھر جب پھاٹک کھلتا ہے تو ایک دوسرے کیلئے ہارن بجارہے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ہم میں اتنی بھی اہلیت نہیں ہے کہ اتنی تعلیم کے بعد ہم محسوس کرسکیں کہ دوسروں کے حقوق کیا ہوتے ہیں۔یہ تربیت اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر ملتی ہے۔آج اس تعلق کو اختیار کرنا بڑا برا سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے بعد کوئی روک ٹوک کرے گا اور سمجھائے گا۔جب کہ ہمارا نفس تو نہیں چاہتا کہ کوئی ہمیں سمجھائے۔ہم سمجھتے ہیں کہ ہم سمجھے سمجھائے پیدا ہوگئے ہیں۔اس کی وجہ سے ہم معاشرے میں دوسروں کو سکھ پہنچانے کی بجائے الٹا دکھ پہنچارہے ہوتے ہیں۔

صحبت کا اثر

ہم ساتویں آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے۔میرا ایک کلاس فیلو ایک دیہات سے آتا تھا۔وہ ہمیں دیہات کے بارے میں باتیں سنایا کرتا تھا کہ گندم ایسے اگتی ہے،ایسے ہل چلاتے ہیں،ایسے پانی لگاتے ہیں اور ایسے کنویں ہوتے ہیں۔ہم نے یہ چیزیں کبھی دیکھی نہیں تھیں کیونکہ شہری زندگی گزارنے والے تھے اس لئے ہمیں اس کی باتیں بڑی عجیب لگتی تھیں۔

ایک مرتبہ اس نے ہمیں دعوت دی اور کہا کہ جولائی اور اگست دو مہینے کی سکول میں چھٹیاں ہو رہی ہیں، آپ چھٹیوں میں ہمارے ہاں آنا، ہم آپ کو دیہات دکھائیں گے۔ ہم نے دعوت قبول کر لی۔ چنانچہ ہم نے گھر آ کر تذکرہ بھی کر دیا کہ ہمارا ایک اچھا کلاس فیلو ہے، اس نے ہمیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی ہے اور ہمارا بھی جی چاہتا ہے کہ ہم جا کر دیہات دیکھیں۔ بھائی نے کہا، بہت اچھا۔ ہم کسی دن آپ کو لے جائیں گے۔ چنانچہ ایک دن بھائی لے گئے۔ ہم دیہات میں خوب گھومے پھرے۔

وہاں پر جب ہم ایک کھیت میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ وہاں گوبر پڑا ہوا ہے۔ ہماری سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ خشک گوبر کا ڈھیر کھیت میں کیوں پڑا ہے۔ ہم نے ایک کسان کو دیکھا کہ وہ اس گوبر کو مٹی میں ملا رہا تھا۔ اب ہمیں اور بھی زیادہ عجیب بات لگی۔ لہٰذا ہم نے حیران ہو کر اس کسان سے پوچھا، جی آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اس نے کہا، یہاں میں سبزی بیجوں گا۔ ہم نے کہا، ادھر تو آپ سبزی کا بیج ڈالیں گے اور ادھر آپ یہ گندگی اور بدبودار چیز مٹی میں ملا رہے ہیں۔ وہ کہنے لگا، آپ شہر کے رہنے والے ہیں، آپ کی نظر میں تو یہ گندی اور بدبودار نجاست ہے لیکن حقیقت بات یہ ہے کہ ہم اس کو زمین میں اس لئے ملاتے ہیں کہ جب اس کے بعد ہم زمین میں سبزی بوئیں گے تو یہ سبزی کو فائدہ دے گی، گویا ہمارے لئے یہ کھاد کا کام دیتی ہے۔

اس وقت میری چھوٹی عمر تھی۔ لہٰذا بات کو پوری طرح نہ سمجھ سکا۔ آج کبھی کبھی لڑکپن کا وہ واقعہ یاد آتا ہے تو تب یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اے بندے! جسے ہم گندگی کہتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں اگر اس گندگی کو بھی کسی

کھیتی میں ڈال دیتے ہیں تو وہ بھی ساتھ والی کھیتی کو فائدہ دیتی ہے۔ تو مؤمن ہو کر بھی اگر ساتھ رہنے والے کو فائدہ نہیں دیتا تو معلوم ہوا کہ تو گندگی اور نجاست سے بھی گیا گزرا ہے۔

غور طلب بات

آج ہم ذرا اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں۔ دن بدن ہماری اخلاقی حالت گرتی جارہی ہے۔ وہ مہر ومحبت اور وفائیں نہیں رہیں جو پہلے ہوا کرتی تھیں۔ رنجشیں اور کدورتیں ہمارے معاشرے میں کچھ اس طرح سرایت کر گئی ہیں کہ بغض وعناد اور جھگڑا فساد اب معمول کی باتیں ہوگئیں ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطعہ رحمی کرنے والا موجود ہو۔ آج ہمارے معاشرے میں بھی بے برکتی اسی وجہ سے ہے کہ ہماری قوم میں اتحاد و یگانگت کی بجائے کینہ وحسد اور نااتفاقی کا دور دورہ ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا ظرف بڑا کریں اور دوسروں کی خیر خواہی کرنا سیکھیں۔ اس کیلئے ہمیں اپنے آپ سے پہل کرنا ہوگی اور بدخلقی کا جواب خوش خلقی سے دینا ہوگا۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی نصیحت

ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے آپ کے سامنے اپنے بھائی کی شکایتیں شروع کردیں کہ جی وہ مجھے بڑا تنگ کرتا ہے اور ہر وقت وہ میرے راستے میں کانٹے بوتا رہتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس سے بدلہ لوں۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نے یہ سن کر اس کو نصیحت فرمائی کہ اے بھائی! اگر تیرے راستے میں کوئی کانٹے بچھائے تو تو اس کے راستے میں کانٹے نہ بچھانا ورنہ پوری دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔

اللہ رب العزت ہمیں اچھے اخلاق والی زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

و اخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

مناجات

دل مغموم کو مسرور کر دے
دل بے نور کو پرنور کر دے
فروزاں دل میں شمع طور کر دے
یہ گوشہ نور سے معمور کر دے
مرا ظاہر سنور جائے الٰہی
مرے باطن کی ظلمت دور کر دے
مئے وحدت پلا مخمور کر دے
محبت کے نشے میں چور کر دے
نہ دل مائل ہو میرا ان کی جانب
جنہیں تیری ادا مغرور کر دے
ہے میری گھات میں خود نفس میرا
خدایا اس کو بے مقدور کر دے
دل مغموم کو مسرور کر دے
دل بے نور کو پرنور کر دے

مناجات

آہ جاتی ہے فلک پر اثر لانے کیلئے
بادلو! ہٹ جاؤ دیدو راہ جانے کے لئے

اے دعا! عرض کر عرش الٰہی تھام کر
اے خدا! اب پھیر دے رخ گردش ایام کے

صلح تھی کل جن سے اب وہ برسر پیکار ہیں
وقت اور تقدیر دونوں درپئے آزار ہیں

ڈھونڈتے ہیں اب مداوا سوزش غم کے لئے
کر رہے ہیں زخمی دل فریاد مرہم کے لئے

رحم کر اپنے نہ آئین کرم کو بھول جا
ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تو نہ ہم کو بھول جا

خلق کے راندے ہوئے دنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب تیرے در پر ہاتھ پھیلائے ہوئے

خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوب کی امت میں ہیں

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دلجوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

(آغا شرر)

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- دار العلوم جھنگ، پاکستان 0471-622832,625707
- مدرسہ تعلیم الاسلام، سنت پورہ فیصل آباد 041-618003
- معہد الفقیر، گلشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246
- جامعہ دار الہدیٰ، جدید آبادی، بنوں 0928-621966
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، اردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی
- عبد الوہاب، پنجاب کالونی، نزد رضوان مسجد کراچی 021-5877306
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد